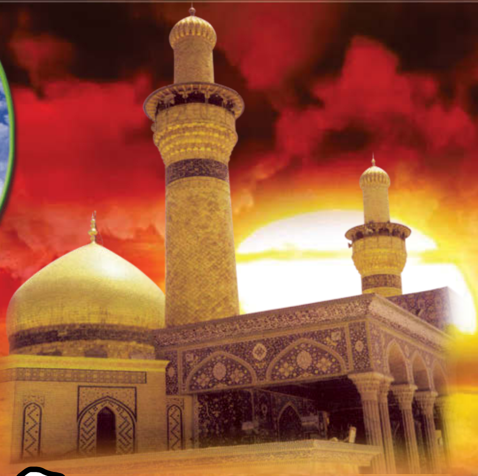

ماہنامہ

دخترانِ اسلام

لاہور

اگست 2022ء

حسین علیہ السلام

فلسفہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

سماجی زندگی میں ادبِ واحترام کی اہمیت

مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ کی ملی وسیاسی خدمات

یومِ آزادی اور ہماری ذمہ داریاں

محترمہ حدیقہ بتول (زونل ناظمہ شمالی پنجاب) اور محترمہ مریم اقبال (کوآرڈینیٹر وائس) کی
میانوالی اور بھکر میں آئیں دین سیکھیں کورس و تنظیمی میٹنگ میں شرکت

محترمہ رافعہ عروج ملک (ناظمہ زونل کشمیر وہزارہ) اور حدیقہ بتول (زونل ناظمہ شمالی پنجاب)
کی کشمیر میں درس قرآن و میٹنگ میں شرکت

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں
ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 29 شمارہ: 7 / محرم الحرام ۱۴۴۴ھ / اگست 2022ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر
اُم حبیبہ اسماعیل

ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت
نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز، مسز حلیمہ سعدیہ
مسز راضیہ نوید، سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم
آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام — فوٹو گرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرس

اداریہ
(آزادی کا حقیقی تصور اور آج کا پاکستان!) 4
فکرِ شیخ الاسلام
فلسفۂ شہادت امامِ حسین علیہ السلام — مرتبہ: نازیہ عبدالستار 5
کربلا ایک درسگاہ — سماوہ سلطان 10
یومِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں — سمیہ اسلام 15
مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ — ڈاکٹر انیلہ مبشر 18
تعمیرِ شخصیت کے نمایاں اوصاف — تحریم رفعت 21
انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء — آمنہ خالد 24
مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ کی ملی و سیاسی خدمات — سعدیہ کریم 28
بیماری، تشخیص اور علاج — مریم اقبال 32
سماجی زندگی میں ادب و احترام کی اہمیت — اقصیٰ منور 36
قرآن اور نسبتِ رسول ﷺ — حافظ محمد طیب زرنی 39
فقہی مسائل: اللہ حیاء اور پردے کو پسند فرماتا ہے — خصوصی رپورٹ 45
گلدستہ: اللہ پر بھروسہ انسان کو ہارنے نہیں دیتا — مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین 47

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید، امریکہ: 15 ڈالر — مشرق وسطی، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر
ترسیل زر کا پتہ: منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/60 روپے
سالانہ خریداری -/700 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184
Visit us on: www.minhaj.info E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ. وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ.

(العنکبوت،۲۹: ۴۵ تا۴۷)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ وہ کتاب پڑھ کر سنایئے جو آپ کی طرف (بذریعہ) وحی بھیجی گئی ہے، اور نماز قائم کیجیے، بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ ان (کاموں) کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور (اے مومنو!) اہلِ کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، اور (ان سے) کہہ دو کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے (ہیں) جو ہماری طرف اتاری گئی (ہے) اور جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری، تو جن (حق شناس) لوگوں کو ہم نے (پہلے سے) کتاب عطا کر رکھی تھی وہ اس (کتاب) پر ایمان لاتے ہیں، اور اِن (اہلِ مکّہ) میں سے (بھی) ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا اِنکار کافروں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔‘‘

فرمان نبوی ﷺ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی الله عنه أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيْمَا فِي أَيْدِيَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ.

’’حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جسے کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبت ہو جا، اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہوجا، لوگ بھی تجھ سے محبت کریں گے۔‘‘

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه.

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ تو ہو میں تمہارا سینہ بے نیازی سے بھر دوں گا اور تیرا فقر و فاقہ ختم کر دوں گا؛ اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے ہاتھ کام کاج سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی (کبھی) ختم نہیں کروں گا۔‘‘

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص۳۷۸)

خواب

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے، رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گل ہی نہیں
(کلیات اقبال، بانگ درا، ص:۳۵۲)

تعبیر

میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبرِ اسلام نے ہمارے لیے بنایا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔
(شاہی دربار، سبی، بلوچستان، 14 فروری 1947ء)

تکمیل

حُبِ رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے مصطفیٰ ﷺ نے محبت کی ہم بھی اس سے محت کریں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا خدا کی قسم اے محمد بن باقرؒ! آپ کی حرمت و تعظیم میرے اوپر اس طرح واجب ہے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ پر تاجدارِ کائنات ﷺ کی تعظیم واجب تھی۔ کیونکہ آپ کی حرمت میں مجھے حرمتِ مصطفیٰ ﷺ نظر آتی ہے۔
(خطاب بعنوان: رسول ﷺ کا تقاضا محبتِ اہلِ بیتِ اطہار ہے، ماہنامہ دختران اسلام، اگست 2021ء)

اداریہ

آزادی کا حقیقی تصور اور آج کا پاکستان!

14 اگست **2022**ء کو ہم اپنی آزادی کی **75**ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ ہر سال تجدید عہد وفاء کئے جاتے ہیں اور عزم کیا جاتا ہے کہ ہم وطن عزیز کی ترقی و خوشحالی کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے مگر یہ عہد و پیما فقط ایک دن کی رسومات کی ادائیگی بن کر رہ گئے ہیں۔ ہر گزرتے ہوئے سال کا تجزیہ کیا جائے تو سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی اعتبار سے قوم معکوس ترقی کا سفر طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ رواں سال بھی بہت سارے حوالوں سے تکلیف دہ ہے۔ پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین سیاسی، معاشی اور اخلاقی انحطاط سے گزر رہا ہے۔ اگر ہم سیاسی عدم استحکام پر نگاہ دوڑائیں تو اس طرح کا عدم استحکام ماضی میں کبھی نظر نہیں آتا۔ ہر روز حکومتیں بدلتیں اور بنتی ہیں۔ روپیہ کی بے قدری ہر روز ایک نئے ریکارڈ قائم کر رہی ہے۔ اخلاقی انحطاط کا یہ عالم ہے کہ کوئی قومی رہنما کسی دوسرے رہنما کا درست الفاظ کے ساتھ نام لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ اقتدار کی رسہ کشی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ اگر ہم سانحہ مشرقی پاکستان کے حالات کا جائزہ لیں تو کم و بیش یہی صورت حال نظر آتی ہے۔ کوئی رہنما دوسرے پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ہر ادارہ اور فرد حق پر ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا نظر آتا تھا مگر بنگلہ دیش کے عام آدمی کی تکلیف اور دکھ درد کو کوئی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ ہم لاکھ دشمن ملکوں پر پاکستان کو دولخت کرنے کے الزامات لگائیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے پاکستان کو دولخت کیا۔ آج کے حالات پر نگاہ دوڑائیں تو صاف نظر آرہا ہے کہ قوم کے ذمہ داروں نے سانحہ مشرقی پاکستان سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے زریں اقوال آج بھی قدم قدم پر رہنمائی کے لئے دستیاب ہیں مگر ہم اپنے مفادات کے حصار سے باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بانی پاکستان کیسا پاکستان چاہتے تھے یہ ان کے افکار و اقوال سے عیاں ہوتا ہے۔ **25** فروری **1940**ء میں انہوں نے فرمایا ”لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں ہمارا مقصد کیا ہے؟ اگر اب بھی تم نے ہمارا مقصد نہیں سمجھا تو میں کہوں گا تم کبھی نہ سمجھ سکو گے، یہ بالکل صاف ہے، برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے، مسٹر گاندھی اور کانگریس مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو اور نہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے، ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں“۔ بانی پاکستان نے دوٹوک الفاظ میں فرما دیا کہ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ کوئی ہمیں ڈکٹیشن نہیں دے سکتا، نہ کوئی ہم پر اعلانیہ یا غیر اعلانیہ حکومت کر سکتا ہے۔ آج **75** سال کے بعد بھی یہ بحث زوروں پر ہے کہ ہم غلام ہیں کہ آزاد ہیں؟ مگر اگر ہم اپنی معیشت کو دیکھیں، اپنے نظام تعلیم کو دیکھیں، اپنی اقدار و ثقافت کو دیکھیں تو ہر جگہ بیرونی غلبہ نظر آتا ہے جو بانی پاکستان کی فکر آزادی کے خلاف ہے۔ ہمیں معاشی اعتبار سے خود انحصار کی منزل حاصل کرنی ہے اور اپنی روایات اور ثقافت کے مطابق اپنے شب و روز بسر کرنے ہیں جب ہم معاشی اعتبار سے آزاد اور خودکفیل ہوں گے تو تبھی ہم آزاد و خودمختار زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ (چیف ایڈیٹر: دختران اسلام)

فلسفۂ شہادتِ امام حسین علیہ السلام

طاقت حق نہیں، حق طاقت ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب

مرتبہ: نازیہ عبدالستار ۔۔۔معاونت: حافظہ سحر عنبرین

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ(سورۃ البقرہ(154:)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مُردہ ہیں، (وہ مُردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں"

واقعہ کربلا اور خانوادہ رسول کی مقدس ہستیوں کی شہادت میں دو فلسفے آپس میں ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ وہ سوچیں کیا تھیں ؟وہ فلسفے کیا تھے؟ وہ دو فکر کیا تھے؟ انہیں سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ واقعہ، واقعہ نہ رہے۔ ایک ابدی حقیقت کے طور پر سمجھ میں آجائے۔

واقعہ کربلا میں جن د دسوچوں کا ٹکراؤ تھا وہ یہ تھیں۔ ایک سوچ یہ تھی اور وہ یزیدیت کے روپ میں آج بھی موجود ہے۔ وہ سوچ یہ تھی کہ طاقت ہی حق ہے۔ اسی کی پیروی کی جائے اس کا ساتھ دیا جائے اس سے ہرصورت سمجھوتا کیا جائے اس سے بنائی جائے۔بگاڑی نہ جائے۔

اس کے ساتھ امام حسین کی سوچ کا ٹکراؤ تھا اور ان کی سوچ تھی کہ طاقت ہی حق نہیں ہے بلکہ حق ہی طاقت ہے۔ جملہ ایک ہی ہے صرف لفظ تھوڑے آگے پیچھے ہوگئے۔ یزید جس سوچ کا نام تھا وہ تھی طاقت ہی حق ہے حسین علیہ السلام جس سوچ کا نام ہے وہ ہے کہ حق ہی طاقت ہے یعنی طاقت کی پرستش نہ کی جائے۔ طاقت کا ساتھ نہ دیا جائے ۔حق کا ساتھ دیا جائے ۔حق کا ساتھ دیتے ہوئے اگر طاقت آپ کو کچل بھی دے تو آپ پھر بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ ان دونوں فلسفوں کے ٹکراؤ نے یہ بات امت مسلمہ کو اور عالم انسانیت کو سمجھائی کہ واقعہ کربلا کے نتیجے میں حسین علیہ السلام شہید ہوگئے اور یزید نے اپنا تخت بچالیا حالانکہ ابھی کوئی مسلح جنگ نہیں تھی۔ کوئی بغاوت کی صورت ابھی نہیں پیدا ہوئی تھی۔ یہ تو پرامن قافلہ تھا جو کہ سوئے کوفہ رواں تھا۔ اور صرف خاندان کے لوگ تھے یہ جنگ کی تیاری تو نہیں ہوتی مگر واقعہ کربلا کے نتیجے میں امام حسین اور خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب شہید ہو گئے۔ یزید کا تخت بچ گیا لیکن فلسفۂ کربلا یہ ہے کہ حسین شہید ہو کر بھی زندہ ہوگئے اور یزید تخت بچا کر بھی مردہ ہو گیا۔ حسین نیزے کی نوک پہ چڑھ کے بھی جیت گئے اور یزید تخت پہ براجمان ہو کر بھی ہار گیا۔ حسین علیہ السلام نے ہار اور جیت کا مفہوم بدل دیا۔

اس لیے یزید نام تھا بربریت کا اور حسین استعارہ تھے انسانیت کے۔

یزید خیانت تھا حسین علیہ السلام امانت تھے ۔

یزید ظلم تھا حسین علیہ السلام عدل تھے۔
یزید جبر تھا حسین علیہ السلام صبر تھے۔

یہ جبر اور صبر کا مقابلہ تھا۔یزید سراسر جفا تھا حسین علیہ السلام سراسر وفا تھے۔

یزید نام تھا مطلق العینانی کا، حسین نام تھا مساوات ایمانی کا۔

یہ دو کردار تھے یزید باطل کردار کا نام تھا حسین علیہ السلام حق کردار کا نام تھا۔

اس لیے جبر کی طاقت ،ظلم کی طاقت، خیانت کی طاقت، کرپشن کی طاقت، بربریت کی طاقت، دہشتگردی کی طاقت، خونریزی کی طاقت، یہ یزیدیت بنی اور صبر کی جرات، عدل کا کردار، امن کی خوشبو، انسانیت کا زیور، یہ حسینیت بنی۔

یزید سراسر بے حیائی اور لوٹ مار کا نام تھا۔حسین سراسر تقوی اور ایثار کا نام تھا۔یزید سراسر کرپشن ہے وہ سراسر کرپشن تھا۔ اس کی کرپشن کی تین جہتیں تھیں۔ یزید بانی بنا سیاسی کرپشن، مالی کرپشن اور اخلاقی کرپشن کا۔

سیاسی کرپشن:

سیاسی کرپشن اس کی یہ تھی کہ اس نے نظامِ خلافت کی قدروں کو پامال کردیا۔ خلافت راشدہ سیرت مصطفیٰ ﷺ کا عملی نظام تھا۔ اگر سیرت مصطفیٰ، سنت مصطفیٰ، تعلیمات مصطفیٰ ﷺ کی حتی کہ قرآن وسنت کو اگر ایک عملی نظام کی شکل میں دیکھنا چاہیں وہ خلافت راشدہ تھی۔ یزید نے اس خلافت راشدہ کی قدروں کو پامال کیا اور اس کو بدترین ملوکیت انتہائی سفاک اور کرپٹ آمریت سے بدل دیا۔ جہاں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ دجلہ کے کنارے بھوک سے مرنے والے بکری کے بچے کا بھی ذکر تھا وہاں خانوادہ رسول کے مقدس نفوس کچل دیئے۔کتنا فرق تھا اس سوچ کا جو آقا علیہ السلام نے عطا کی تھی۔ امام حسین علیہ السلام اس سوچ کے امین تھے، اس کے وارث تھے ۔ان قدروں کے محافظ تھے۔ ان پر مبنی امت کا مستقبل سنوارنا چاہتے تھے۔

یزید نے خلافت راشدہ کی اور نظام رسالت کی تمام قدروں کو پامال کر کے بدترین کرپٹ اور سفاک آمریت کے نظام کو رائج کیا۔ یہ سیاسی کرپشن تھی اور اس کے نتیجے میں اس نے خاندانی بادشاہت اوپر سے لے کر نیچے تک قائم کی۔ اس کا وطیرہ یہ تھا کہ جتنے بزرگ با کردار، پختہ، اچھی سیرت والے، عمر رسیدہ، تجربہ کار، دیانت دار، ایماندار اور جن جن مناصب پر فائز تھے ان سب کو ہٹا دیا۔ اس نے اب اپنے خاندان کے لونڈوں کو یہ لفظ صحیح بخاری میں آیا ہے۔

لونڈے، اوباش، بدمعاش بدکماش جوان کو مناصب پر فائز کردیا۔ اس نے کلچر بدل دیا اس سیاست کا جو آقا علیہ السلام نے اپنی امت کو عطا کی۔

علیکم بسنتی وسنت الخلفاء راشدین المھدین.

اس کو بدل کر اس نے بدترین خاندانی کرپٹ، بادشاہت، اورملوکیت اور آمریت کی بنیاد رکھی۔ یہ اس کی سیاسی کرپشن ہے۔اس نے اختلا ف رائے کا حق ہر ایک سے چھین لیا۔

ایک جمہوری طریقہ ہے معاشروں میں احتجاج کرنا۔ اس نے احتجاج کرنے کا حق چھین لیا۔حتی کہ واقعہ کربلا کے بعد شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد اہل مدینہ نے احتجاج کیا ۔آپ کی شہادت کے بعد یزید نے افواج بھیج کر مدینہ طیبہ کوتخت وتاراج کیا نہ صرف مدینہ منورہ پر قبضہ کیا۔ مسجد نبوی پر قبضہ کرلیا اور اپنے گھوڑے اونٹ اور خچر مسجد نبوی میں باندھ دیئے۔ تین دن تک مسجد نبوی میں اذان، جماعت اور نماز معطل ہوگی۔ اس پر مورخین، محدثین، علماء اسلام کی پوری

تاریخ میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔ اپنی افواج کو بھیجا انہیں حکم دے کر کہ تین دن تک مدینہ تمہارے اوپر حلال ہے، جو چاہو کر لو قتل عام کر دو۔ لاشیں گرا دو۔خون کے دریا بہا دو۔ عزتیں لوٹ لو۔ تین دن تک جو چاہو کرو میں تم پر مباح کرتا ہوں ۔ان للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر اہل مکہ نے احتجاج کیا اس واقعہ پر بہت سے صحابہ، تابعین اور صحابیات شہید ہوئیں ، ان کے مزارات کا پورا ایک خطہ جنت البقیع میں ہے۔ صرف مکہ معظّمہ کو ہی نہیں بلکہ مسجد نبوی اور روضہ رسول کی بے حرمتی کی۔منجنیق کے ذریعے کعبۃ اللہ پر تیر برسائے اور آگ لگائی اور کعبۃ اللہ کا نہ صرف غلاف جلا مگر کعبہ شریف کا بہت سارا حصہ جل گیا۔ جب کعبۃ اللہ جل رہا تھا دمشق سے یزید ہدایات دے رہا تھا۔اس کی فوج کا ایک کمانڈر مر گیا۔ نیا کمانڈر اس نے اپوائنٹ کیا جب کعبہ جلا رہا تھا اسی دوران اس کو تکلیف ہوئی اور تڑپ کر کعبہ کے جلانے کے دوران مر گیا ۔واصل جہنم ہوا۔

مالی کرپشن:

دوسری کرپشن اس کی مالی تھی جہاں ایک نظام تھا سیدنا صدیق اکبر ہوں سیدنا فاروق اعظم ہوں سیدنا عثمان غنی ہوں سیدنا علی کرم اللہ علیہ اجمعین ہوں وہاں تو ایک عام شخص بھی کھڑا ہو کے پوچھ سکتا تھا کہ مال غنیمت کی چادر سے ہمارا قمیض نہیں بنا تو آپ کا کرتا کیسے بن گیا؟ وہاں تو یہودی مقدمہ کر سکتا تھا یہ ذرہ میری ہے تو سیدنا علی شیر خدا ؓ جسٹس کی عدالت میں امیر المومنین اور خلیفہ المسلمین ہونے کے باوجود پیش ہوتے تھے اور فیصلہ سیدنا حضرت علی مرتضی ؓ کے خلاف آیا کیونکہ قاضی شوریٰ نے پوچھا کہ کوئی گواہ پیش کریں تو اس وقت جب خریدی تھی تو گواہ صرف امام حسن مجتبی ؓ تھے۔ تو جج نے کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں۔ اس نے فیصلہ کر کے سیدنا علی کی ذرہ گواہی نہ ہونے کی بنا پر یہودی کو دے دی۔ جب عدل کا یہ عالم دیکھا تو یہودی نے وہیں کلمہ پڑھ کے اسلام قبول کر لیا اس نے کہا ذرہ انہی کی ہے مگر میں مسلمان ہوتا ہوں اسلام کا یہ کردار دیکھ کر جہاں یہ نظام آقا علیہ السلام دے کر گئے تھے امت کو اور اس پر عمل درآمد تھا۔ یزید دور میں وہاں مالی کرپشن تھی۔قومی اور سرکاری خزانہ ذاتی عیاشیوں کی نظر ہو گیا۔شہنشاہانہ انداز سلطنت تھا شہنشاہانہ زندگی تھی۔ قومی خزانے کو لوٹا اپنی عیاشی، اپنی امارت ،اپنے شہنشاہیت، اپنی بادشاہت، اپنی مستیوں پر اس نے سیاسی کرپشن کے ساتھ مالی کرپشن کی بنیاد رکھی ۔

اخلاقی کرپشن:

تیسری اخلاقی کرپشن اس نے دینی اور اخلاقی اقدار کو مٹا دیا اور بے حیائی کو عام کیا اور اپنے محل میں بے حیائی کو اور حدود الٰہیہ کو توڑنے کو اس نے رواج دیا۔ وہ پہلا شخص تھا جس سے آغاز ہوا۔ بدکاری و بے حیائی کا اس نے اسلامی قدروں، حیا، اسلامی شرف ، حرام و حلال کو پامال کیا۔ اس تین قسموں کی کرپشن کے مجموعہ کا نام یزیدیت بنا۔ یہ پورا نظام یزیدیت کی شکل میں آج تک موجود ہے۔جس کی طرز زندگی، طرز حکمرانی، طرز سلطنت میں ان چیزوں کی جھلک نظر آئے وہ اپنے دور کا یزید ہے اور جو ان پلیدیوں سے ٹکرائے وہ اپنے دور کا غلام حسین علیہ السلام ہے۔ وہ اپنے دور کا حسینیت کا پیروکار ہے۔ تو یزیدیت نے انسانی حقوق کا قتل عام کیا۔ اس نے انسانی آزادیوں کا قتل عام کیا۔ اس نے اخلاق کو، شرافت کی قدروں کا قتل عام کیا۔ اس نے دین اور احکام شریعت کا قتل عام کیا۔ اس نے نظام احتساب کا قتل عام کیا۔ اس نے عدل و انصاف کا قتل عام کیا اور سارے نظام کو اپنی حرص اور ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ساری سلطنت کا نظام اس نے ذاتی

خواہش کا نام رکھا۔ آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا:

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطر فبلسانہ وان لم یستطر فبقلبہ فذالك ادعف الایمان .

آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے ایمان کے تین معیار مقرر کیے ہیں۔

ایمان کا پہلا درجہ:

فرمایا تم میں سے جو شخص برائی کو ،ظلم کو ،بے حیائی کو ،لوٹ مار کو، کرپشن کو، دین کے حقوق کی خلاف ورزی کو ،جبر کو ،ظلم کو کھلے بندوں دیکھے اس کو نظر آئے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس کو روکے اور اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرے۔

فلیغیرہ بیدہ پوری قوت کے ساتھ اس نظام کو بدلے جو منکر و بدی پر قائم ہے ۔ یہ آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلا معیار قائم کیا یہ معیار آئیڈیل ہے۔

ایمان کا دوسرا درجہ:

پھر آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ میری امت کے کمزور لوگوں میں اگر کوئی اتنی طاقت اور جرت نہ رکھے، ہر ایک کے سینے میں ایسا کلیجہ نہیں ہوتا نا شعروں میں ٹکرانے کی بات کرنا بڑا آسان ہوتا ہے ،تقریروں میں بھی ٹکرانا بڑا آسان ہوتا ہے مگر میدان میں اتر کے ٹکرانا اور اپنی جانے دے دینا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ یہ اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کے من میں اس نے حسینیت کا چشمہ کھول دیا ہو۔ جس کو حسینیت کے نور سے روشن کردیا ہو۔ اگر حسینیت کسی کے من میں داخل ہو جائے تو اس میں بزدلی نہیں رہتی، بے حسی نہیں رہتی ،بے ضمیری نہیں رہتی، بے حیائی نہیں رہتی، ڈر نہیں رہتا، خوف نہیں رہتا مصلحت نہیں رہتی، اس کی ٹانگیں کانپتی نہیں ہیں۔ پھر وہ کمزور بھی ہو تو دنیا کا طاقتور ترین ہوتا ہے کیونکہ اس کی طاقت اپنی نہیں ہوتی اس کی طاقت حسین علیہ السلام سے ہوتی ہے، فکر حسین علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ سوآقا علیہ السلام نے جانتے ہوئے کہ ہر کوئی ٹکرا نہیں سکتا۔ کمزور بھی ہوتے ہیں چھوٹے کلیجے والے لوگ بھی ہوتے ہیں تو ان کا دھیان بھی فرما دیا کہ بہت بڑی اکثریت امت سے ہی نہ نکل جائے ان کا بھی خیال رکھا فرمایا: **فبلسان** اگر کوئی ٹکرانے کی جرات اور ہمت نہ رکھے تو زبان سے للکارے یا ٹکرائے۔ دو پیمانے دیے۔ پھر زبان سے اس کی مذمت کرے اس کا ساتھ نہ دے۔ آقا علیہ السلام نے رعایت فرمائی۔ ان کا خیال کیا۔

ایمان کا تیسرا درجہ:

آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کئی اس سے بھی کمزور دل کے لوگ ہوں گے۔ ان کی زندگی میں مفاد زیادہ طاقتور ہوگا۔ کئی لوگ مالی مفاد کے آگے کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ کئی چندوں کے آگے کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ چندے رک جائیں گے۔ کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ کئی پرمٹوں کے آگے کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ کئی ڈویلپمنٹ فنڈ کے آگے کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ کئی گلی کوچوں کے چھوٹے چھوٹے کام اور غرض کی وجہ سے کھڑا نہیں ہوسکیں گے۔ بڑے کمزور لوگ جنہیں زبان سے بھی حق کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا۔ زبان سے بھی حق کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا۔ ڈریں گے آقا علیہ السلام نے سوچا کہ ہوں گے تو وہ بھی میری امت میں۔ پھر ان کا خیال کر کے فرمایا **فبقلبہ** اگر زبان سے بھی للکار نہ سکو اور مذمت نہ کر سکو۔ ڈر ہو کہ کہیں پولیس نہ اٹھا لے، ڈر ہو مقدمہ نہ بن جائے، ڈر ہو یہ مفاد نہ رک جائے، خوفزدہ ہوں کہ زبان سے بھی کلمہ حق ادا نہ کر سکوں تو فرمایا تیسری گنجائش بھی دے دی۔ فرمایا **فبقلبہ**۔ دل سے نفرت کرے۔ مگر ان کا

ساتھ نہ دیں۔ نفرت کریں ان کی نوکری نہ کریں چاکری نہ کریں غلامی نہ کریں ان کی وفاداری نہ کرے ان کی تابعداری نہ کریں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک ہے اگر تم زبان سے ٹکرا نہیں سکتے، خوفزدہ ہو یا ہو مفاد زدہ ہو تو پھر دل سے نفرت تو کرو۔ ان کی پارٹی نہ بنو۔ ان سے الائنس نہ کرو۔ ان کا ساتھ نہ دو۔ دل سے نفرت کرو اور دل سے نفرت کرنے کے لیے فرمایا: فذالك ادعف الايمان یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے مگر ابھی بھی ایمان کے اندر رکھا ایمان سے خارج نہیں کیا۔ فرمایا یہ بوٹم لائن ہے کمزور ترین درجہ ہے۔ اس سے آگے سٹوپ کیا ہے۔ چوتھا درجہ ہے ان کے ساتھ مل جانا وہ ایمان سے خارج ہونے والا عمل ہے۔ یعنی بدی کا ساتھ دینا، ظلم کا ساتھ دینا، جبر کا ساتھ دینا وہ ادعف الایمان سے بھی نیچے ہے۔ ادعف الایمان اور بوٹم لائن کے بعد تو پھر مائنس شروع ہو جاتا ہے۔ بوٹم لائن تو زیرو پر آجائے گا۔ دس سے نیچے گرے، نو، آٹھ، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو، ایک۔ اس کے بعد زیرو آ گیا۔ اس سے نیچے جائیں تو تفریق شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جو تین درجے تھے۔

اس وقت کیا ہوا کہ کچھ لوگ خوفزدہ ہو کر یا مفاد زدہ ہوگئے کچھ لوگ یہاں یزید اور یزیدیت کے بطور نظام اس کے معید بنے وہ کوفہ اور دمشق میں تھے۔ مفاد کے لیے یا خوف زدہ ہو کر اس کے ساتھ ہوئے۔ یہ طبقہ بھی تھا۔ باقی بھاری اکثریت وہ دو پوزیشنز میں رہی۔ دو پوزیشن فبلسان فبقلب میں بھاری اکثریت۔ حسین علیہ السلام کی انفرادیت کیا ہے؟ امام حسین علیہ السلام نے کونسا انوکھا کام کیا۔ پورا خانو ادہ قربان کروا دیا۔ دین کے لئے خاندان شہید کروا دیا۔ دوسرا ہے انتہا درجے کی مظلومیت، جس میں شہادتیں ہوئیں۔

ان سارے حقائق سے ہٹ کر ایک دوسری انفرادیت بھاری اکثریت امت کی فبلسانہ یا فبقلبہ کے درجے میں گئی۔ حسین علیہ السلام فلغیرہ بیدہ کے مقام پر فائز ہوا۔ فبغیرہ بیدہ کئی لوگوں نے تائید کردی ان کا تو ذکر ہی کیا۔ بہت سے لوگوں نے رخصت کا راستہ، مصلحت کا راستہ اور خاموشی کا راستہ اختیار کیا۔ حسین علیہ السلام نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور جو بات سمجھانا چاہتا ہوں۔ رخصت کا راستہ جائز تھا۔ عزیمت کا راستہ افضل تھا تو حسین علیہ السلام جائز کرنے والوں میں نہیں افضل کرنے والوں میں تھے۔ جائز عمل میں کوئی فضیلت نہیں ہوتی جائز جائز ہوتا ہے۔ اس پر گناہ نہیں۔ اس جائز پر مباح کرنے والے کے لئے فضیلت نہیں ہے۔ ساری فضیلتیں حسین علیہ السلام سمیٹ گئے۔ رخصت اور خاموشی کی قرآن مجید نے بھی اضطرار کی حالت میں اجازت دی ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ(سورة البقره173:)

"پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں"

حسین علیہ السلام صاحب اجازت نہیں صاحب فضیلت ہوئے ۔اجازت کا طریق بہت سوں نے اپنایا مگر فضیلت کا طریق حسین علیہ السلام کے حصے میں آیا۔وہ راہ عزیمت تھی جو امام حسین نے اپنائی۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کی یہ اہمیت ہے کہ بڑی بڑی ہستیاں جو اس معاملے میں اجازت پہ رہیں ان کی شہادتوں اور تاریخوں کا علم نہیں ہے۔ مگر حسین علیہ السلام کی شہادت اتنی معروف ہے جیسے سیرت محمدیؐ معروف ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک باب ہے اور یہ ذکر قیامت تک مٹ نہیں سکتا۔ اس کی نشاندہی آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے خود فرمائی تھی۔

☆☆☆☆☆

کربلا ایک درسگاہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی انسانیت کے باوقار بقاء کے لئے تھی

—— سماوہ سلطان ——

واقعہ کربلا سے ہم سب واقف ہیں، نہ صرف مسلمان بلکہ ہر قوم ہر مذہب کسی نہ کسی حد تک اس سے آگاہ ہے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کی قربانی انسانیت کی بقا کیلئے تھی۔ لیکن ہم کربلا کو اگر ایک عظیم اور کامل درسگاہ کے طور پر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس واقعہ میں کتنے درس موجود ہیں۔ اس واقعے کا ہر پہلو بامعنی اور بامقصد ہے اس کے پیچھے حکمت پوشیدہ ہے۔ تمام 72 شہداء اور امام کے اہل خانہ نے لازوال درس دیا ہے۔

60 ہجری میں جب یزید ابنِ معاویہ تخت نشین ہوا تو امام حسین نے اس کی بیعت لینے سے انکار کیا یعنی اس کو امام اور خلیفۃ المومنین ماننے سے انکار کی وجہ یہ تھی کہ یزید ایک فاسق شخص تھا، ہر قسم کے گناہ میں غرق تھا۔ اس جیسے شخص کو اگر امام حسین علیہ السلام تسلیم کر لیتے تو ان کی زندگی ان کا گھرانہ سب محفوظ رہتا، بچ جاتا لیکن اسلام باقی نہ رہتا۔ ان کی فوقیت اپنے نانا ﷺ کے دین کی بقا تھی نہ کہ اپنا گھر۔ اس پر یہ سبق ملتا ہے کہ ظالم اور برے حکمران کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی جہاد ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے بیعت قبول نہ کر کے حریت کا درس دیا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ

"ظلم کے خلاف جتنی دیر سے اٹھو گے اتنی ہی زیادہ قربانی دینا پڑے گی ."

کربلا کا سب سے اہم درس یہی تو ہے، ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا اور حق و باطل میں فرق جاننا۔ حسین علیہ السلام ہمیں ایک فکر دے کر گئے ہیں جو فکرِ حسینی ہے۔ یہ ایک مقصد کا نام ہے، ایک مشن کا نام ہے اور یزیدیت ایک فتنہ ہے جو کربلا کے بعد ختم نہیں ہوگیا بلکہ ہر دور میں جو حق کا ساتھ دینے والے ہیں وہ حسینی ہیں اور باطل یزیدی ہی تو ہیں۔

بقول امام حسین علیہ السلام:

"جب تمہاری زندگی میں دو ایسے راستے آ جائیں کہ ظالم تمہیں گردن نہ اٹھانے دے اور دین تمہیں گردن نہ جھکانے دے تو تیسرا راستہ گردن کٹانے کا راستہ ہے"

حضرت امام حسین اپنے وصیت نامہ میں جو اپنے بھائی محمد حنفیہ کو لکھتے ہیں یہ بیان کرتے ہیں:

اِنّی ما خَرَجتُ اَشراً و لا بَطراً و لا مُفسداً و لا ظالماً، اِنّما خرجتُ لِطلَبِ الاِصلاح فی اُمَّةِ جدّی، اُریدُ اَن آمُرَ بالمعروفِ و اَنهی عن المنکر و اُسیر بسیرۃِ جدّی و اَبی علیّ بن اَبیطالب.

ترجمہ" :میں سرکشی اور مقام طلبی کی خاطر یا ظلم و فساد پھیلانے کی خاطر نہیں چلا ہوں بلکہ میرا مقصد صرف نانا کی امت کی اصلاح کرنا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور بابا کی سیرت پر عمل پیرا ہونا ہے۔"

امام نے یہ سکھا دیا کہ ظالم کے سامنے سر کٹ تو سکتا ہے لیکن جھک نہیں سکتا۔ یہ قربانی صرف مسلمانوں کیلئے

نہیں بلکہ پوری انسانیت کیلئے ہے۔ کیونکہ ظلم چاہے جہاں بھی ہو رہا ہو اور جس پر بھی ہو رہا ہو اس کی مخالفت ہی درسِ کربلا ہے۔ آج ہم خود کو امام حسین کا پیروکار اور عقیدت مند تو کہتے ہیں لیکن کیا ہم اپنے اردگرد موجود یزیدوں کے خلاف بول رہے ہیں؟ کیا ہم معاشرے میں ہونے والے ظلم کے مخالف ہیں؟ اگر ہم ظلم پر خاموش رہ رہے ہیں تو یعنی ہم ظالم کا ساتھ دے رہے ہیں۔

امام حسین نے مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اپنے اہل وعیال کو ساتھ لیا جس میں ہر عمر کے لوگ تھے، عورتیں تھیں۔ تو جو جنگ کے ارادے سے جاتے ہیں وہ بچوں اور عورتوں کو ساتھ نہیں لے جاتے۔ لیکن امام عالی مقام کا مقصد جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تھا۔

امام حسین نے مسلم بن عقیل کو اپنا سفیر بنا کر پہلے کوفہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں کے حالات سے آگاہ کریں۔ اب یہاں مسلم بن عقیل نے ہمیں درس دیا ہے کہ جب مقصد رضائے خدا کا حصول ہو تو پھر کوئی سوال نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے امام حسین سے یہ نہیں کہا کہ مولا میں تو آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں آپ کے ساتھ مل کر جہاد چاہتا ہوں۔ انہوں نے امام حسین کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیا اور پھر تنہا کوفہ میں مخالف لشکر سے مقابلہ کر کے شہید ہو گئے۔ ایسی عظیم ہستی تھے مسلم کی جب کوفہ والوں کو امام نے خط میں ان کے آنے کا لکھا تو کہا 'میں اپنا بھائی بھیج رہا ہوں، اپنا سفیر بنا کر'۔ سفیرِ حسین ہونا کوئی معمولی بات نہیں، پھر جتنی مشکلات اور تکالیف سے وہاں مسلم بن عقیل کو گزرنا پڑا، یہ ان کی امام حسین سے محبت تھی اور رضائے الٰہی کی طلب تھی کہ وہ ہر آزمائش سے کامیاب ہو کر شہید ہوئے۔

جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ مکہ پہنچا تو حج کیلئے احرام باندھ لئے۔ اب حالات یہ ہیں کہ اپنا شہر، اپنے نانا کا شہر مدینہ امام کیلئے غیر محفوظ بن گیا تو ہجرت کر کے خدا کے گھر مکہ آئے ہوئے ہیں۔ یہاں معلوم ہوا کہ یزید نے کچھ حاجیوں کو امام حسین کے قتل کا حکم دے رکھا ہے کہ دورانِ طواف ان پر حملہ کر دیا جائے۔

امام حسین جانتے تھے کہ ان کی شہادت ہونی ہی ہے، وہ چاہتے تو وہیں حج جاری رکھتے تو بھی تو خدا کی راہ میں جان دیتے لیکن نہیں !وہ تو نواسہ رسول تھے، وہ تو اس اعلیٰ مرتبے کی ہستی تھے کہ ہماری سوچ ان کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ اپنے بھائی حضرت عباس علمدار کو کہتے ہیں کہ عباس! احرام کھول دو۔ ہم حج نہیں کریں گے، عمرہ کر کے یہاں سے چلے جائینگے ! پھر وہاں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

'میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے احرام میں تلواریں چھپا رکھی ہیں، وہ میرے قتل کیلئے آئے ہیں۔ میں حسین ابنِ علی اپنی موت سے نہیں ڈرتا بلکہ خانہ کعبہ کی حرمت خون خرابے سے پامال نہ ہو اس لیے یہاں سے جا رہا ہوں '۔

اب اس بات سے یہ سبق ملتا ہے کہ نماز، روزہ، حج تب ہی قبول ہوگا جب نیت اللہ کی خوشنودی ہو گی اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی آل کے ساتھ وفاداری ہوگی۔ جو نماز اہل بیت پر درود وسلام بھیجے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی وہی اہل بیت حج چھوڑ کر جا رہے ہیں لیکن کوئی ان کے ساتھ نہیں گیا۔

طوافِ کعبہ میں مشغول رہ گئے حاجی
بہت قریب سے گزری نجات کی کشتی

اب جب امام حسین اپنا قافلہ لے کر کربلا پہنچ گئے تو وہیں اپنے خیمے لگا لئے۔ اب یہاں جو درس ہے وہ ہے تسلیم و رضا کا۔ جب سات محرم سے اہل بیت پر پانی بھی بند کر دیا گیا تو اس وقت ان کے صبر کا امتحان شروع ہوا۔ آبِ کوثر جن کی میراث ہے وہ پیاسے تھے۔ اس وقت اگر امام چاہتے تو اللہ سے بارش برسانے کی دعا کرتے، اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑھیاں رگڑنے سے پانی کا چشمہ پھوٹ سکتا ہے تو کیا امام حسین کے قدموں کی ٹھوکر سے چشمہ نہ نکلتا؟ لیکن سید شہدا صبر کے عروج پر تھے۔ آپ علیہ السلام نے کسی بھی قسم کی غیبی مدد نہیں طلب کی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ کہتے اور بات پوری

نہ ہوجاتی۔ جو خود جنت کے سردار ہیں، جن کے نانا وجہِ تخلیق کائنات ہیں، باپ مولائے کائنات ہیں اور والدہ خاتونِ جنت ہیں، یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ غربت کے عالم میں مدد چاہتے اور یزیدی لشکر نیست و نابود نہ ہو جاتا۔ لیکن وہ خدا کی رضا میں راضی تھے۔ صبر کے پیکر تھے۔ فرمانے لگے:

رضا اللہ رضا اھل البیت

یعنی جو اللہ کی رضا ہے وہی ہم اہلبیت کی رضا ہے۔

یہی بات ہے جو کربلا کو سب سے معتبر بنا دیتی ہے کہ کوئی ظاہری یا غیبی مدد نہیں تھی۔ کوئی جنات یا فرشتوں کا عمل دخل نہیں تھا محض حسین علیہ السلام تھے یا ان کے انثار جو راہ خدا میں اپنی جانیں دینے کو تیار تھے۔

9 محرم الحرام کو عمر ابن سعد نے یزید کا پیغام آ سنایا کہ آپ بیعت قبول کر لیں ورنہ آپ کے قتل کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ امام نے حجت تمام کی اور ان کو ایک بار پھر راہ راست کی طرف بلایا لیکن انہوں نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے ایک رات کی مہلت مانگ لی۔ اس رات میں اپنے تمام ساتھیوں کو ایک خیمے میں اکٹھا کیا اور فرمایا کہ لشکرِ یزید کا مقصد میرا قتل ہے میں تم سب سے راضی ہوں اور اللہ بھی تم سے راضی ہو۔ جو اس وقت جانا چاہتا ہے جا سکتا ہے میں روزِ محشر آپ سب کی شفاعت کی ضمانت دیتا ہوں۔۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے بیٹے حضرت علی اکبر سے فرمایا کہ چراغ بجھا دو۔ تاکہ جو جانا چاہے بغیر ندامت کے جا سکے۔ کچھ دیر بعد حضرت عباس کو صدا دی کہ عباس !چراغ چلا دو۔ جب دیکھا تو سب ہی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ اگرچہ لشکرِ حُسین صرف 72افراد پر مشتمل تھا لیکن یہ سب کے سب اعلیٰ کردار اورعظمت کے پیکر تھے۔ یہاں وفاداری کا درس ملتا ہے کہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر سب امام کے ہمراہ کھڑے تھے۔

10 محرم الحرام کا دن شروع ہوا جو کہ یومِ عاشور تھا۔ سخت گرمی، بھوک اور پیاس کے عالم میں امام اور ان کے ساتھی لاکھوں کے لشکر کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھے۔

کہیں دوستی کی ایک بہترین مثال ملتی ہے جو امام کے بچپن کے دوست حضرت حبیب ابن مظاہر نے قائم کی۔ جیسے ہی انہیں کوفہ میں امام حسین کا خط ملا تو وہ تڑپ اٹھے کہ جلد از جلد امام کے پاس پہنچ سکیں وہ نصرت حق کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ آئے اور امام کی طرف سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ تو کہیں ضعیفی میں بھی راہ خدا میں شہادت کا جذبہ رکھنے والے مسلم ابن عوسجہ کی مثال ملتی ہے کہ جن کے ہاتھوں میں رعشہ ضرور تھا لیکن حوصلہ جوان تھا۔ فرماتے ہیں قسم بخدا !اگر مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ میں قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مجھے جلا کر خاکستر کر دیا جائے اور ایسا ستر مرتبہ کیا جائے گا تو بھی میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا یہاں تک کہ آپ کی نصرت میں شہادت کے درجے پر فائز ہوجاؤں۔ تو کہیں حُر نے یہ درس دیا کہ اگر گناہ جتنے بھی ہوں توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے۔ ندامت کی پٹی باندھ کر مولا کے حضور آئے۔ مولا تو کریم ابن کریم ہیں، انہوں نے حر کو گلے لگا لیا۔ حر نے اذن جہاد کی اجازت لی اور جام شہادت نوش فرما کر اہل دنیا کو ایک ابدی پیغام سنا گئے کہ ہم حر ہیں، دنیا میں بھی آخرت میں بھی! یہ حسین علیہ السلام کی درسگاہ ہے۔ یہاں حر بنائے جاتے ہیں۔

پھر وہب کلبیؓ آتے ہیں اور پیغام حریت دے جاتے ہیں کہ دیکھو ضمیر زندہ رہنا چاہیے تاکہ حق قبول کرنے میں مذہب و ملت دامن گیر نہ ہوں۔ آپ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن جونہی صدائے حق کا علم بلند ہوا، امام حسین علیہ السلام کی نصرت کو چلے آئے اور امام کے قدموں میں اپنی جان نچھاور کر کے حریت کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔

امام حسین علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے دونوں بیٹے عون اور محمد، امام علیہ السلام کی بارگاہ میں بھیجے اور کہا کہ یہ آپ سے پہلے شہید ہونگے اور ان کم سن بھائیوں نے شہادت پائی تو سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے سجدہ شکر کیا۔

تیرہ برس کے کمسن حضرت قاسم ابن حسن نے شجاعت کا درس دیا جو بار بار امام حسین علیہ السلام کی خدمت

میں آتے اور اذن وغا کا سوال کرتے۔ جب مولا نے شہادت کی یہ تڑپ دیکھی تو سوال کیا، بیٹا قاسم! موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟ جناب قاسم جواب دیتے ہیں، شہد سے بھی شیریں!

یہ ان کے ایمان کی پختگی تھی، وہ جانتے تھے کہ اگلے جہان میں انہی کیلئے نعمتیں ہیں اور پھر انہوں نے بھی شہادت پائی۔ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔

حضرت عباس نے وفاداری اور عقیدت کا درس دیا۔ جب نہرِ فرات پہ پانی لینے گئے اور مشکیزہ بھر لیا تو خود بھی پیاسے تھے مگر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا کہ پہلے اپنے مولا اور ان کے گھر والوں کو پانی ملے۔ پھر اپنے دونوں بازو قربان کر دیئے لیکن مشکیزہ منہ سے پکڑ لیا کہ خیموں تک پانی پہنچا سکیں۔ پھر ان پر تیروں سے حملہ کیا اور وہ بے بازو ہو کر گھوڑے سے گر پڑے۔ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو کبھی بھائی کہہ کر نہ پکارا ہمیشہ مولا کہا اور آخری وقت میں بھی صدا تھی، مولا، غلام کا آخری سلام قبول کریں۔

پھر مولا حسین علیہ السلام نے اپنے اٹھارہ سالہ بیٹے حضرت علی اکبر علیہ السلام کو میدان میں بھیجا۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شخصیت کو امام نے خیمہ کے نزدیک کھڑے ہو کر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اللھم اشھد علی ھٰولآء القوم قد برز الیھم غلام اشبه الناس خلقاً و خلقاً و منطقاً برسولك و کنّا اذا اشتقنا الی نبیّك نظر نا الی وجھه "

"خدایا !تو اس قوم جفاکار کے مظالم پر شاہد رہنا کہ ان کی طرف ایسا جوان جارہا ہے کہ جو تیرے رسولﷺ سے گفتار،کردار،اور رفتارمیں سب سے زیادہ مشابہ ہے اور جب بھی ہم کو رسولﷺ کی زیارت کا اشتیاق ہوتا تھا تو ہم اس کی زیارت کر لیتے تھے۔"

پھر علی اکبر خدمت امام میں آئے اور جنگ کرنے کی اجازت چاہی فوراً آپکی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے مولا نے علی اکبر علیہ السلام کو سینہ سے لگایا اور خود اپنے ہاتھوں سے علی اکبر علیہ السلام کو لباس جنگ پہنایا وہ چمڑے کا پٹکا جو امیر المؤمنین کے تبرکات میں سے تھا کمر پر باندھا اور میدان میں بھیج دیا۔

پھر ان کے سینے سے نیزہ خود نکالا اور کہا " نہ میری آنکھ پہ پٹی بندھی ہے نہ میرے بیٹے کے ہاتھ بندھے ہیں میں اس کو ایسے ہی راہ خدا میں دے رہا ہوں"۔

جب امام کے سب ساتھی اور سب پیارے شہید ہو گئے تو اس غربت کے عالم میں ایک جن جس کا نام زعفر تھا، امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے میرے مولا! ان لوگوں کی کیا مجال کہ آپ پر اور آپ کی آل پر ظلم ڈھائیں! میں اپنے ساتھ لاکھوں جِنات کا لشکر لایا ہوں جو ابھی لشکر یزید کو ختم کر دے گا۔ آپ مجھے اجازت دیں۔

امام نے فرمایا؛ " ٹھہرو زعفر !یہ صرف شجاعت کا امتحان نہیں بلکہ صبر کا امتحان ہے، یہ دیکھو جبرائیل اور میکائیل کھڑے ہیں اور بہت سے فرشتے بھی۔ دیکھ! یہ آسمان میری نصرت کیلئے برسنے کو تیار ہے اور یہ زمین پھٹنے کو تیار ہیں لیکن میں نے سب کو صبر کرنے کا کہا ہے تم بھی صبر کرو اور دیکھو کہ اولاد آدم میں کچھ لوگ جو خاص ہیں وہ کیوں خاص ہیں"۔

پھر اپنے چھ ماہ کے بیٹے حضرت علی اصغر علیہ السلام کو بارگاہِ خدا میں قربان کردیا۔ اب کوئی نہیں بچا سوائے امام حسین علیہ السلام کے۔

خیموں میں جا کے سب سے رخصت لی اور امام زین العابدین سے کہا ابھی تمہیں بہت مشکلات اٹھانی ہیں لیکن ہر قدم پر میرے نانا کی رسالت کی گواہی دیتے رہنا۔ اب امام گھوڑے پہ سوار ہوئے کہ میدان کی طرف جائیں تو ان کی چار سال کی شہزادی بی بی سکینہ سلام اللہ علیہا ذوالجناح کو کہنے لگی کہ میرے بابا کو نہ لے جاؤ، جو وہاں جاتا ہے واپس نہیں آتا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا، میرے خون سے نانا کا دین بچے گا اس لیئے صبر کرو اور دعا کرو۔

پھر آپ میدان میں آ کر صدا لگاتے ہیں کہ :

"اے لوگو !میں حسین ابنِ علی ہوں، نبی کا نواسہ، علی و فاطمہ کا بیٹا، جس کیلئے اللہ کے رسولﷺ بار بار فرماتے تھے 'حسین منی وانا من الحسین '۔ میں رسول اللہﷺ کا خون ہوں کیوں میرا قتل کرنا چاہتے ہو کیا میں نے شریعت میں کوئی ترمیم کی ہے یا کسی انسان کا حق غصب کیا ہے؟ کیوں میرے بچوں کو ناحق مارا ہے !اب بھی راہ راست پہ آ جاؤ۔ آج جو اسلام کا پرچم تم ہاتھوں میں لے کر کھڑے ہو یہ میرے بابا علیؓ نے بلند کیا تھا خیبر فتح کرنے والے کے بیٹے کو آج یہ صلہ دے رہے ہو"

فوجِ یزید جس میں ہزاروں علماء دین بھی تھے کوئی بھی امام کے ساتھ نہ آیا۔ بقول حضرت سلطان باہو:

جے کر دین علم وِچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھُو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا اَگے حسین دے مردے ھُو
جے کجھ ملاحظہ سرور دا کردے تاں تمبو خیمے کیوں سڑ دیھُو
جے کر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بند کردے ھُو
پر صادق دین تنہا دا باھُو جو سر قربانی کردے ھُو

اور پھر سب نے امام کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تیر برسنے لگے جس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اس نے کربلا کی گرم ریت امام پر پھینکنی شروع کر دی۔ یوں ان کا سارا جسم زخموں سے چُور ہو گیا۔ تمام انبیاء ، تمام فرشتے سب یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ حضرت علی و بی بی فاطمہ سلام اللہ علیھا بھی اپنے بیٹے کی عظیم قربانی دیکھنے کیلئے وہاں موجود تھے۔

اتنے میں عرش سے آوازِ قدرت آئی۔

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

ترجمہ:اے اطمینان پا جانے والے نفس !

ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

ترجمہ: اب لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تم اس سے راضی وہ تم سے راضی۔

(سورہ الفجر آیت 28-27)

پھر حسین علیہ السلام نے اپنا سر سجدے میں رکھا تو شمر نے تلوار چلائی۔ آواز آئی، اے روحِ حُسین تو نے بندگی کا حق ادا کر دیا۔ آوازِ علیؓ آئی، اے حسین !تو نے میرے خون کا حق ادا کر دیا۔ آوازِ مصطفیٰﷺ آئی، اے حسین !تو نے میرے کندھوں کی لاج رکھ لی !

پھر آواز قدرت آئی کہ تو نے میری بندگی کی لاج رکھ لی، امامت کو تجھ پہ فخر ہے اور تیرے خدا کو بھی تجھ پہ فخر ہے۔ آ جاؤ کہ آسمان تمہارے قدم چومنے کو بے تاب ہے!

پھر امام نے فرمایا :

"اے خدا میری اولاد کی اور میرے ایثار کی قربانی قبول فرما اور مجھ سے راضی ہو جا۔ میں شکر کرتا ہوں کہ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کیلئے تو نے مجھے چنا ."

کربلا والوں کے حوصلے تھے دید کے قابل
جہاں پہ صبر مشکل تھا وہاں پہ شکر کرتے تھے

پھر ان مبارک سروں کو نیزوں پر چڑھایا گیا، اور ان کے گھرانے کو اسیر بنایا گیا۔ پھر شام میں صبر و رضا کی ایک الگ داستان ہوئی۔ امام کا سر یزید کو ملا لیکن وہ بھی جھکا ہوا نہ ملا بلکہ بلند و بالا ہی ملا۔

تو کربلا کا درس صبر اور رضائے الٰہی میں راضی ہونا ہے،ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا ہے،عزت، وفا اور محبت کا درس ہے۔ اور یہ بتایا گیا کہ مسلمان ہونے کے تقاضے کیا ہیں۔ وہ سب بھی نمازی تھے، حج بھی کر رہے تھے، نعرہ تکبیر بھی لگا رہے تھے لیکن یاد رہے کہ عمل نہیں تو آپ مسلمان نہیں، اہلبیت سے محبت اور وفاداری نہیں تو زرہ بھر کوئی عبادت کسی کام کی نہیں۔

اللہ ہمارے دلوں کو محبت اہلبیت سے سرشار رکھے اور ہمیں حسینیت کے درس کو سمجھنے اور عمل کرنے والا بنائے۔

حسینؑ تیری محبت پہ فیصلہ ہوگا
ہے کون کون حقیقت میں مصطفیٰؐ کے ساتھ

☆☆☆☆☆

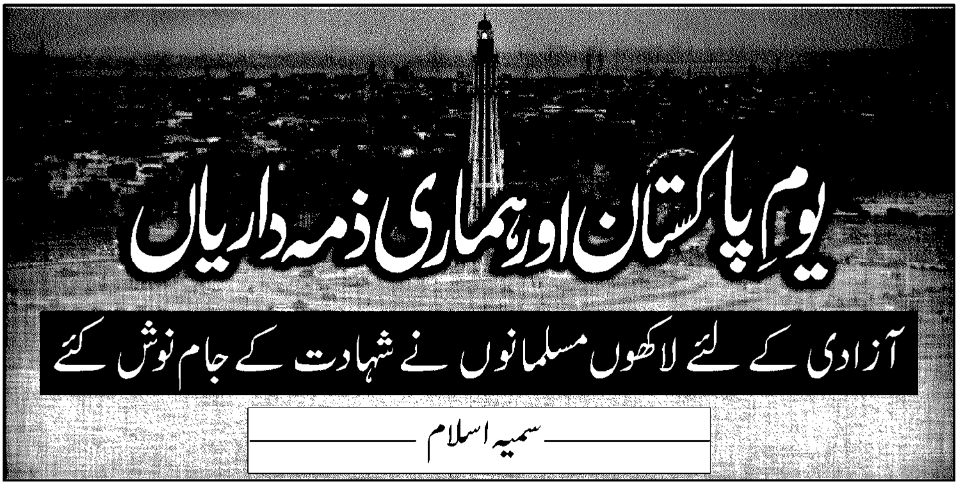

یومِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

آزادی کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے شہادت کے جام نوش کئے

سمیہ اسلام

آزادی کی نعمت انمول ہے۔ اسی کا نام وقار و عظمت ہے۔14اگست پاکستان کے مسلمانوں کے لئے خصوصی طور پرایک یادگاراورتاریخی اہمیت کاحامل ہے ۔ کیونکہ چودہ اگست 1947 کواسلامی ملک پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پردنیاکے نقشے پرمعرضِ وجودمیں آیا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ وطن عزیزملک پاکستان کے حصول کی خاطرہمارے اسلاف (بزرگوں) نے اپناتن من دھن سب کچھ نچھاورکیا۔قیامِ پاکستان کے وقت دی جانے والی قربانیوں کاہم بغورمطالعہ کریں تودل خون کے آنسوروتاہے ۔جب مسلمان، انگریزکے غلام تھے ۔لیکن وطنِ عزیزکی بنیادیں استوارکرنے کے لئے متحدہ مسلمانوں کی ہڈیاں اینٹوں کی جگہ ،گوشت گارے کی جگہ ،اورخون پانی کی جگہ استعما ل ہواہے۔جن کی عظیم قربانیوں کے بعد وطن عزیزپاکستان کاقیام وجودعمل میں آیا۔

وطن عزیزپاکستان جس کی عظمت کوآج پوری دنیامانتی ہے۔ اس لئے ہمیں بھی وطن سے محبت کرنی چاہیے۔ اس کے بانی سے عقیدت اوراس کے مصوّرسے دلی لگاؤرہناچاہیے ۔کیونکہ جس وطن عزیزکے قیام کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی بے شمارقربانیاں پیش کیں۔اتنی گراں قدرتخلیق کااندازہ تو وہی لگاسکتا ہے جس نے تعمیر پاکستان میں اپنے تن من دھن قربان کیاہو۔بس ہم نے تویہی سوچ رکھاہے جیسے باپ داداکی وراثت میں یہ وطن عزیزملاہو۔حالانکہ پاکستان کے حصول کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے شہادت کاجام نوش کیا۔کتنی ماؤں کے سامنے ان کے بچے قتل کیے گئے۔جوساری عمراپنے بچوں کے لئے ترستے رہے ہوں گے۔بے بسوں کے سامنے ان کے خاندانوں کے افرادکوکمروں میں بندکرکے نذرآتش کیاگیا۔ہزاروں عصمتیں لٹنے ،لاکھوں گھراجڑنے کے بعد پاکستان بنا۔زندہ آزادومختارقومیں ہمیشہ اپنے وطن سے کھل کرمحبت اوراپنی آزادی کاجشن بھی شایان شان طریقے سے مناتی ہیں۔کیونکہ آزادی کی خوشیاں منانا ان خوشیوں میں شریک ہونا ان کی رونقیں دوبالا کرنا یقیناً زندہ اورمحبّ وطن قوموں کاشیوہ ہے۔خالق کائنات مالکِ ارض وسماوات قرآن مجیدمیں بھی ہمیں یہی حکم دیتاہے کہ جب بھی کسی نعمت کاتم پرحصول ہوتواس پرخوب خوشی کااظہارکرو۔یعنی کہ سجدہ تشکر بجالاؤ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اگرتم میرا شکر ادا کروگےتو میں تمہیں اوردونگااوراگرناشکری کروگےتومیراعذاب

دوسرا بڑا تقاضا اس یومِ آزادی کا یہ ہے کہ ہم اپنی صفوں میں کامل اتحاد پیدا کریں۔ کسی بھی طرح کے گروہی، لسانی وصوبائی عصبیت پسندی یاکسی بھی دیگر بنیاد پر تفریق کا شکار نہ ہوں

ہمیں بحیثیت قوم اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ رکھنا ہوگا اور قوم کو موجودہ مسائل و مشکلات کی گرداب سے نکالنے کے لئے مربوط حکمتِ عملی کے ساتھ مسلسل کوشش کرتے رہنا ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ ہم نے اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ ہم اپنی بلند نظری اور وسعتِ قلبی سے اپنے ملک میں بسنے والے ہر باشندے سے رواداری، صبروتحمل، محبت وایثار کے ساتھ خوش معاملگی سے رہیں

سخت ہے۔ قیام پاکستان سے قبل پورے برصغیر پر انگریزوں کا قبضہ رہا ہے۔ حالانکہ انگریزوں کے قبضہ سے پہلے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ جب انگریز قابض ہوئے تو مسلمان غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ہونے لگے۔ بالآخر مسلمانوں نے متحد ہوکر مسلسل دن رات محنت کی۔ جو شخص جتنی محنت کرتا ہے اس کا پھل اللہ پاک اس کو ضرور عطا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی دن رات مسلسل محنت رنگ لے آئی اور اللہ پاک نے آج کے دن یعنی 14 اگست 1947 کو مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نجات بخشی۔ اور اس طرح مسلمان اپنا الگ وطن ملک پاکستانِ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

وطن عزیز پاکستان کی آزادی اللہ تعالیٰ کی کسی بڑی نعمت اور فضل وکرم سے کم نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العالمین نے 14 اگست 1947 کے دن مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلا کر انہیں ایسا خطہ ارضِ پاک عطا کیا جو ہر قسم کے معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ جس کی وادیاں اپنے اندر رعنایاں لیے ہوئے ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم اور بزرگوں کی قربانیوں کے بعد ہمیں ہر قسم کی آزادی اور ہر قسم کا سامان عیش وعریش کے لئے میسر ہے۔ تجارتی، زرعی، صنعتی اور دیگر میدانوں میں اپنا لوہا منوا کر ترقی کررہے ہیں۔ وطن اس جگہ یا مقام کو کہتے ہیں جہاں انسان اقامت پذیر ہوتا ہے۔ جب انسان کسی جگہ پر اپنی قیمتی زندگی کا کچھ اہم حصہ گزار لیتا ہے۔ تو انسان کو اس جگہ سے فطری طور پر محبت ہوجاتی ہے۔ پھر جب کسی مجبوری کے تحت انسان اس سرزمین سے جدا ہوتا ہے تو اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اپنے وطن یعنی پہلی منزل تک پہنچ سکوں۔

وطن پر فدا ہر مسلمان ہے
کہ حبِ وطن جزوِ ایمان ہے

یہ ہمارا قومی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ ہم نئی نسل جو پاکستان کا قیمتی اثاثہ ہیں جنہوں نے اس وطن عزیز کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے (کو قیامِ پاکستان کے لئے دی جانیوالی قربانیوں سے روشناس کرائیں اور ان کی یادتازہ کرتے رہیں۔ کیونکہ یہ بات ہر کسی پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ملک لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کا ثمر ہے اگر ہمارے بزرگ یہ قربانیاں نہ دیتے تو شاید آج بھی ہم آزاد نہ ہوتے۔

تحریک پاکستان میں صرف مرد نہیں بلکہ خواتین کا کردار بھی ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے۔ آج بھی ملکی درپیش مسائل اور چیلنجز سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہمیں قیامِ پاکستان اور 1965ء کی جنگ آزادی والا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ کیونکہ وطن عزیز پاکستان اسلامی ریاست اور ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود بے شمار مسائل اور تنزلی کا شکار ہے۔ جن سے نجات کا واحد ذریعہ مخلص قیادت کا چناؤ اور نوجوانوں میں بالخصوص قیامِ پاکستان والا جذبہ بیدار کرنا ہوگا۔ جو ہمارے وطن کی طرف میلی نگاہ سے دیکھے گا اس کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائیگا۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان کی بنیاد اینٹ گارے سے نہیں بلکہ اپنے خون اور ہڈیوں سے رکھی تھی اور یہ ملک خداداد پاکستان کلمہ لا الہ الا اللہ کے نعرے پر حاصل کیا گیا تھا۔ جب تک ہم اپنے اختلافات بھلا کر باہم متحد ہوکر جدوجہد نہیں کرتے اس وقت تک ہمارے دشمن ہم پر مسلط بھی رہیں گے اور ہماری بنیادیں بھی کھوکھلی کرتے رہیں گے۔

ہر اگست ہم سے یہی تقاضا کرتی ہے کہ خوب محنت کرنی ہے خوب پڑھنا ہے انسانوں کو انسانیت کا صحیح سبق دینا

ہے ۔ہمیں کسی کی سازشوں نے جوجشن کی صورت میں ہمیں الجھائے رکھتی ہیں بچنا ہے۔ یہ ہمارا مقصدِ حیات نہیں ہے ، یہ ہمیں اپنی صحیح سمت پیش قدمی سے روکنے کیلئے دشمن کی سازشیں ہیں۔دشمن کہ آلہ کار ہمارے درمیان ہم سے بن کر رہ رہے ہیں انہیں پہچاننا ہے، انکی نشاندہی کرنی ہے۔ یہ ملک ترقی کی راہ جب ہی گامزن ہوگا جب ہم جشن آزادی پر وقار طریقوں سے منائینگے ہم زندہ دل قوم ہیں ۔ہمیں بانی پاکستان قائدِاعظم محمدعلی جناح کہ وہ تاریخی الفاظ کام، کام اور کام ہمیشہ یاد رکھنے چاہئیں۔ہمیں دل کی گہرائیوں سے اس عرضِ پاک کی بقاء کیلئے دعا گو رہنا چاہیے مگرعملی طور پر بھی اپنی اس محبت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ آئیں اس اگست ہم یہ عہد کریں اورشہری ہونے ثبوت اپنے ہرفعل سے دینگے اور محنت اورلگن سے کام کرینگے یہاں تک کہ پاکستان کوصف اول کہ ممالک میں لاکر کھڑا نہ کردیں۔ انشاء اللہ۔

پاکستان زندہ باد۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاکستان پائندہ باد

اس مبارک دن کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہماری موجودہ نسل کو مملکتِ خداداد پاکستان کے قیام کے پس منظر سے پوری طرح روشناس کرانے کی بہت سخت ضرورت ہے۔ انہیں اس بات کا کامل ادراک ہونا چاہیے کہ آزادی سے پہلے ہم تمام کلمہ گو مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سب کے سب غیر مسلموں کے قبضے میں تھے۔ ہماری تہذیب و تمدن، ہماری ثقافت و شرافت، ہماری عزت و ناموس، ہمارا قرآن، ہمارا ایمان، ہمارا اسلام، سرورِ کائنات کا پیغامِ تزک و احتشام، تمام کا تمام غیر مسلموں اور استبدادی طاقتوں کا غلام تھا۔

دوسرا بڑا تقاضا اس یومِ آزادی کا یہ ہے کہ ہم اپنی صفوں میں کامل اتحاد پیدا کریں۔ کسی بھی طرح کے گروہی، لسانی وصوبائی عصبیت پسندی یا کسی بھی دیگر بنیاد پر تفریق کا شکار نہ ہوں۔ بابائے قوم حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے قوم کے لیے رہنما خطوط فراہم کرتے ہوئے فرمایا تھا :اتحاد، ایمان، تنظیم۔ یعنی کسی بھی قوم کے لئے ترقی و کامرانی حاصل کرنے کے لئے سنہری اصول یہی تین ہیں کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھے۔ اپنی دیانت داری اور ایمان کو ہمیشہ اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر رکھے ۔اس لئے ہم میں سے ہر فرد کو خود سے اور اس مملکت سے عہد کرنا ہوگا کہ ہم اپنے اپنے دائرہِ عمل میں اتحاد، ایمان اور تنظیم کے اصولوں پر پوری طرح عمل کریں گے اور اس تسلسل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھیں گے۔ علامہ علیہ رحمتہ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

ہر اگست ہم سے یہی تقاضا کرتی ہے کہ خوب محنت کرنی ہے خوب پڑھنا ہے انسانوں کو انسانیت کا صحیح سبق دینا ہے ۔ہمیں کسی کی سازشوں نے جوجشن کی صورت میں ہمیں الجھائے رکھتی ہیں بچنا ہے

14اگست کے عظیم دن کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے لئے ہر معاملے میں خود انحصاری کا راستہ اختیار کریں کیونکہ یہ افراد اور اقوام کو اپنے اپنے وسائل پر بھروسہ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس راستے پر چلنے سے عارضی مشکلات تو پیش آئیں گی اور دشواریاں بھی حائل رہیں گی لیکن پیٹ پر پتھر باندھ کر فتوحات حاصل کرنے والی قوم اپنے ماضی کو یقیناً کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پاکستان کو سنوارنا اور اس کی ترقی یقینی بنانا ہماری انفرادی و اجتماعی ذمہ داری ہے۔ہمیں بحیثیت قوم اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ رکھنا ہوگا اورقوم کو موجودہ مسائل و مشکلات کی گرداب سے نکالنے کے لئے مربوط حکمتِ عملی کے ساتھ مسلسل کوشش کرتے رہنا ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ ہم نے اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ ہم اپنی بلند نظری اور وسعتِ قلبی سے اپنے ملک میں بسنے والے ہر باشندے سے رواداری، صبروتحمل، محبت وایثار کے ساتھ خوش معاملگی سے رہیں۔ اقوامِ عالم سے بھی بین الاقوامی معاملات جس مہارتِ کار اور خوش اسلوبی کا تقاضا کرتے ہیں اسے اسی طرح سرانجام دیں۔

☆☆☆☆☆

مادرِ ملت فاطمہ جناح رح

قائد کی دستِ راست اور مشیرِ خاص

فیصلے سے پہلے سو بار سوچیں فیصلہ کر لینے کے بعد ثابت قدم رہیں

ڈاکٹر انیلہ مبشر

ہماری عصری، قومی اور سیاسی تاریخ کے پس منظر میں مادر، ملت محترمہ فاطمہ جناح قوم کی رہبری و رہنمائی کے جذبے سے سرشار ایک بیباک حق گو، اثر آفرین اور ہمہ جہت شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ایک طرف تو آپ وہ عظیم المرتبت خاتون تھیں جس نے بطور ہمشیرہ مشرقی شرافت و صداقت کے دائرے میں رہتے ہوئے بہن بھائی کے رشتے کو اوج ثریا تک پہنچادیا۔ دوسری طرف تحریک پاکستان کے پُرآشوب دور میں اپنے سیاسی تدبر، دور اندیشی، معاملہ فہمی کی بدولت بابائے قوم محمد علی جناح کی مشیر خاص اور دستِ راست رہیں۔ قوم کی خواتین کے لیے تحریک پاکستان کے اساسی نظریہ اور عمومی جذبات کی ترجمان اور شمعِ ہدایت ثابت ہوئیں اور پھر قائداعظم کی ناگہانی رحلت کے بعد آپ انیس برس تک پاکستان کے اساسی نظریے کی محافظ اور پاکستان میں جمہوریت کی بقا و بحالی کی خاطر استعمار پسند قوتوں اور جمہور کش عناصر کے خلاف صدائے حق بلند کرنے والی مجاہدہ تھیں۔ ابتلا اور آزمائش کے اس دور میں قوم مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی رہنمائی کو فراموش نہیں کرسکتی۔

محترمہ فاطمہ جناح 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں جناح پونجا کے ہاں پیدا ہوئیں۔ آپ بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں اور محمد علی جناح آپ کے سب سے بڑے بھائی تھے۔ بہت کم عمری میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ 1901ء میں آپ کے والد بھی اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ گھر کے سربراہ کی حیثیت سے محمد علی جناح نے سب سے چھوٹی بہن کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا اور انھیں 1902ء میں بمبئی کے اہم انگریزی سکول باندرہ کانونٹ بورڈنگ اسکول میں داخل کروادیا۔ بقول شریں بی جو فاطمہ جناح کی بڑی بہن تھیں، محمد علی جناح نے تمام خاندان کی مخالفت کے باوجود اپنی چھوٹی بہن کو انگریزی بورڈنگ سکول میں داخل کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ فاطمہ جناح اپنے بھائی کی زیر سرپرستی تعلیم حاصل کرتی رہیں۔

1910ء میں کھنڈالا سینٹ پیٹرک اسکول سے میٹرک کیا پھر گھر میں تیاری کے بعد جونیئر اور سینئر کیمبرج کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ 1919ء میں کلکتہ کے احمد ڈینٹل کلینک میں دندان سازی کی تعلیم حاصل کی اور 1922ء میں بمبئی واپس آکر ایک ڈینٹل کلینک کھول کر پریکٹس شروع کردی۔ 1929ء میں قائداعظم کی نجی زندگی ایک سانحہ سے دوچار ہوئی اور ان کی اہلیہ رتن بائی کا انتقال ہوگیا۔ ایسے میں محترمہ فاطمہ جناح نے اپنا کلینک بند کردیا اور بھائی کے پاس رہنے لگی تاکہ اُن کی تنہائی کا مداوا ہوسکے۔ 1929ء میں قائداعظم گول میز کانفرنس

میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے۔ قیام لندن میں بھی آپ اُن کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ علامہ اقبال اور دوسرے مسلم قائدین کے اصرار پر آپ 1934ء میں وطن واپس آگئیں اور مسلم لیگ کی تنظیم نو کے مشکل ترین کام کا آغاز کیا۔

بابائے قوم قائداعظم کی ہمشیرہ کی حیثیت سے فاطمہ جناح بلند ترین کردار پر فائز نظر آتی ہیں۔حصول پاکستان کے اس پُرصعوبت دور میں وہ اپنے بھائی کے لیے بڑا سہارا تھیں۔ 1935ء کے بعد شاید ہی کوئی ایسا موقع ہو جب کسی اجلاس، کانفرنس یا ملک کے طوفانی دوروں میں اپنے بھائی کے ہم قدم نہ ہوتی ہوں۔ انھوں نے گھر اور گھر سے باہر اپنے بھائی کے لیے ایسا اطمینان بخش ماحول پیدا کررکھا تھا کہ قائد ہر فکر سے آزاد ہوکر اپنے نصب العین کی طرف قدم بڑھاتے چلے گئے۔تحریک پاکستان کے اس دور میں وہ بے لوث مجاہدہ، وفا شعار بہن اور امور خانداری سے دلچسپی رکھنے والی مشرقی خاتون نظر آتی ہیں۔ اپنے قابل صد احترام بھائی کی شفقت اور محبت کا جواب اس عظیم صلہ سے دیا کہ اپنی پوری زندگی اور ذاتی راحت و آسائش کو عظیم بھائی پر قربان کردیا۔ ان کا بھائی مسلمانوں کی آزادی کی سیاسی اور قانونی جنگ لڑ رہا تھا اور انھوں نے تہیہ کررکھا تھا کہ ہمیشہ اپنے بھائی کی رفاقت میں رہیں گی اور اُن کے آرام وسکون کا پورا خیال رکھیں گی۔ مثلاً آپ قائد کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اپنی ذاتی نگرانی میں ان کے پسند کے کھانے تیار کرواتیں۔ کھانے میں شریک ہوکر ان کے ایک ایک لقمے کا خیال رکھتیں۔نوکروں کی اصلاح اور گھریلو اخراجات کا حساب کتاب رکھتیں۔ قائد سے سیاسی ملاقات کرنے والوں کی فہرست سے آگاہ رہتی تھیں اور سیاسی مہمانوں اور رہنماؤں کے قیام و طعام کا انتظام کرتیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کی رفاقت نے قائد کو جو تقویت فراہم کی اس کا اعتراف قائداعظم نے ان الفاظ میں کیا:

’’میں جب گھر واپس آتا ہوں تو میری بہن میرے لیے امید کی کرن اور مستقل روشنی بن جاتی۔ میں پریشانیوں میں گھرا رہتا اور میری صحت خراب ہوتی جاتی لیکن فاطمہ کے حسن و تدبر سے میری تمام پریشانیاں دور ہوجاتیں۔‘‘

9 اگست 1947ء کو کراچی کلب میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

’’مس فاطمہ جناح میرے لیے حوصلہ افزائی اور مدد و اعانت کا مستقل سرچشمہ رہی ہیں جن دنوں اندیشہ تھا کہ برطانوی حکومت مجھے گرفتار کرکے مسلمانوں کی خدمت سے محروم کردے گی ان دنوں یہ میری بہن ہی تھی جس نے میرے حوصلے کو بلند رکھا۔ جب انقلاب رونما ہونے کو تھا فاطمہ کی باتیں میرے لیے حوصلہ انگیز تھیں۔ ان کو میری صحت کی ہمیشہ فکر رہی انہی کی وجہ سے میں صحت مند رہا۔‘‘

تحریک پاکستان کے انقلاب آفرین دور میں قائد کے شانہ بشانہ محترمہ فاطمہ جناح کی سیاسی جدوجہد بھی نہایت ثمر آفرین تھی۔ قائداعظم کی صحبت میں رہنے اور نامور سیاسی شخصیات سے ملاقات اور میل جول کے بعد خود مادر ملت بھی سیاسی رموز سے آشنا ہوگئیں۔ انھوں نے اپنے بھائی کے سیاسی افکار اور نظریات کو تہہ دل سے قبول کیا اور خلوص نیت سے ان کی ترویج کا بیڑہ بھی اٹھایا۔ قائداعظم سمجھتے تھے کہ مسلم خواتین کو میدان عمل میں نکلنا چاہیے کیونکہ عورتوں کے تعاون کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ محترمہ فاطمہ جناح نے مسلم خواتین میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلم خواتین پردے اور سماجی آداب کے مطابق سیاست تو دور کی بات ہے گھر کی چار دیواری سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ مگر آپ نے انھیں سیاسی دھارے میں شامل کرنے کے لیے مثالی کردار ادا کیا۔

محترمہ فاطمہ جناح 1934ء کے بعد سے آل انڈیا

مسلم لیگ کونسل کی مستقل رکن تھیں۔ 1938ء میں محترمہ فاطمہ جناح کی زیرِ صدارت آل انڈیا ویمنز سنٹرل سب کمیٹی تشکیل پائی تو آپ بمبئی سے اس کی مستقل رکن منتخب ہوئیں۔ اس مرکزی کمیٹی کا پہلا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو جہاں بیگم مولانا محمد علی جوہر، بیگم نواب حفیظ الدین اور بیگم نواب بہادر یار جنگ کے ہمراہ آپ نے خواتین سے خطاب کیا اور خواتین کو متحرک کرنے میں مثالی کردار ادا کیا۔ 1940ء میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی تو آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو مزید تیز کر دیا۔ مسلم خواتین کی تنظیم نو کی غرض سے گاؤں گاؤں، شہر شہر اور قریہ قریہ پورے ہندوستان کے طوفانی دورے کیے، اجلاس اور جلسے منعقد کیے۔ انھیں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی بیدار کیا اور میدان عمل میں اتار کر تحریک میں ایک نئی جان ڈال دی۔

اگست 1942ء میں کوئٹہ میں خواتین کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''ہم مسلمان بہت چین کی نیند سو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری قوم نے ہمیں کمزور سمجھ کر دبانا شروع کر دیا۔ اگر ہم کچھ دن اور نہ جاگتے تو ہمارا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری بقا ہماری قوت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں ایک طلسماتی طاقت دے رکھی ہے کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچیں لیکن جب کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو اس پر ثابت قدم رہیں۔''

مسلم خواتین کو متحرک اور فعال کرنے کی عظیم خدمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قائداعظم نے مادر ملت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ فاطمہ ہی کا کام تھا کہ وہ تحریک پاکستان کے لیے مسلم خواتین کو متحد کرتیں اور اس تحریک کے لیے خواتین کو لے کر میدان عمل میں آتیں۔ یقیناً یہ ان کی عظیم خدمت ہے جو انھوں نے قوم کے لیے سرانجام دی۔''

11 ستمبر 1948ء میں قائداعظم کی رحلت کے بعد مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے شمع ہدایت کو روشن رکھا۔ آپ نے حق گوئی اور بیبا کی کا وہی راستہ اختیار کیا جس کی نشاندہی قائد نے فرمائی تھی۔ آپ نے بڑی بے خوفی سے تحریک پاکستان کے اساسی نظریہ اور عوامی جذبات کی ترجمانی کی۔ ظلم، رشوت ستانی اور غیر جمہوری اقتدار کے خاتمے اور بحالی جمہوریت کے لیے بے مثل قربانی اور جرات کا مظاہرہ کیا۔ پاکستان کے ابتدائی مہ و سال میں جب مسلم لیگی زعما کرام اپنا حقیقی مشن بھول گئے تو محترمہ فاطمہ جناح ہی تھیں۔ جنھوں نے اپنی تقاریر اور خطبات سے ان کی سمت درست کرنے کی کوشش کی مگر اس دور کی لیڈر شپ نے دور اندیشی کا مظاہرہ نہ کیا اور جمہوریت کش عناصر کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے۔ آپ نے پیرانہ سالی اور کمزور و ناتواں صحت کے باوجود 1965ء میں ایوب خان کے خلاف صدارتی انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا، تحریک بحالی جمہوریت کو چٹا گانگ سے کراچی اور پشاور سے کوئٹہ تک منظم کیا اور قوم کو اتحاد کا پیغام دیا۔ اگرچہ نادیدہ قوتوں کی بدولت وہ یہ انتخاب تو نہ جیت سکیں مگر قائد کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بڑے وقار، تدبر، جرات اور بصیرت و فراست سے قوم کی رہنمائی فرمائی۔

8 اور 9 جولائی 1967ء کی درمیانی شب بقول علامہ اقبال ''آئین جوانمرداں حق گوئی بیباکی'' اور جمہوریت کی شمع امید اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں۔ دل شکستہ قوم کو ولولہ تازہ عطا کرنے والی شفیق ماں، مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی جہد مسلسل کو قوم کبھی فراموش نہ کر پائے گی کیونکہ آپ کی ذات گفتار و کردار، عزم و حوصلہ، تدبر و دانش اور حق پرستی کا ایک ایسا نمونہ تھی جسے بجا طور پر قائداعظم کا عکس جمیل کہا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

تعمیر شخصیت کے نمایاں اوصاف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے

کردار کی عظمت نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کا حکمران بنا دیا

تحریم رفعت

شخصیت انسان کے ذہنی و جسمانی برتاؤ اور اوصاف و کردار کے مجموعہ کا نام ہے۔ یعنی شخصیت کسی بھی انسان کی ظاہری و باطنی صفات ونظریات اور اوصاف و کمالات سے منسوب ہے۔ شخصیت سازی انسان کے اندر دائمی حسن و جمال اور اثرانگیزی کو جنم دیتی ہے۔ انسان کی تعمیر شخصیت میں فکر ونظریات کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب و مسلک اور معاشرے سے تعلق رکھنے والا انسان یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ معاشرے کا قابل فخر اور مؤثر شخص ہو۔ لوگ اسے اہمیت دیں، اس کی بات کو سنیں اور اس کا قول وفعل دوسروں کیلئے مشعل راہ کا کام کرے۔ ان تمام درینہ خواہشات کا زینہ اور مآخذ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ اگر انسان اسلامی تعلیمات پر کاربند رہے اور اپنی شخصیت کو اسلام کے بتائے ہوئے قوانین کی بدولت ڈھالے تو یقیناً وہ انسانیت کیلئے قابل فخر اور مؤثر شخصیت کا حامل ہوگا۔

دین اسلام سے قبل عرب معاشرے کی زبوں حالی، معاشی و معاشرتی، سیاسی و سماجی اور اخلاقی اقدار کی پستی اور تنزلی کا اندازہ تاریخ کی کتب سے باآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ترقی یافتہ قومیں اہل عرب کو جاہل اور کم تر سمجھتی تھیں۔ اسلام سے قبل عرب معاشرے کی حالت یہ تھی کہ شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی، غیرت وحمیت اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف تو موجود تھے مگر ان کے اوصاف و کمالات اور شجاعت و بہادری کو درست سمت نہ ملنے کی وجہ سے نسل در نسل قبائلی اور خاندانی قتل و غارت گری جاری تھی۔ متعدد جنگیں ایسی تھیں جن کی کوئی معقول وجہ یا کوئی خاص سبب بھی نہیں تھا۔ تربیت و کردار سازی کی کمزوری کی بدولت تعمیری اور اخلاقی پہلو پروان چڑھنے سے قاصر تھے۔ یعنی شجاعت و بہادری باہمی جنگ و جدال اور فصاحت و بلاغت کے جوہر قبائلی قصیدہ گوئی اور مبالغہ آرائیوں میں صرف ہو رہے تھے۔ الغرض ان کے سامنے زندگی کا کوئی تعمیری مقصد نہیں تھا۔ بت پرستی نے ان کی فکری صلاحیتوں کو بھی مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

تبلیغ اسلام کے ذریعے اہل عرب کی اسی کمزوری کو نشانہ بناتے ہوئے سب سے پہلے کفر وشرک اور بت پرستی کو سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا اور ان کے تمام معبودان باطلہ کی نفی کرتے ہوئے توحید کو ایمان کی اساس قرار دیا گیا جس سے ان کی فکری جمود کے پتھر بھی چکنا چور ہو کر رہ گئے۔ پیغمبر اسلام ?نے ان کی شجاعت و بہادری کو اعلائے کلمۃ الحق کے جذبہ سے لڑنے کا سبق دیا۔ سماجی و اخلاقی زوال و انحطاط کو صحیفہ انقلاب کی بدولت اوصاف حمیدہ میں تبدیل کر کے پوری دنیا میں مصطفوی انقلاب کے تعمیری جذبہ کو تقویت دی۔

یہ پیغمبر اسلام ﷺ ہی کی معجزاتی شان تھی کہ جس نے دور جاہلیت میں عام انسانوں کی سی گمنام زندگی گزارنے

والوں کو کردار سازی اور شخصیت سازی کی بدولت امتیازی حیثیت دی۔نسل در نسل غلامی میں زندگی گزارنے والے وقت کے جید صحابہ کرام علم وعمل اور تعمیر شخصیت کی بدولت عظیم اسلامی ریاست کے اوالو العزم حکمراں، طالع آزما مجاہد اور بے مثال اخلاق و کردار کے شہسوار بنے۔ یہ رسول اکرم ؟ کی کردار سازی اور تعمیر شخصیت ہی کی بدولت تھا کہ صحابہ کرام کی زندگیوں میں ہمہ گیر انقلابات رونما ہوئے اور ان کی خوابیدہ اور فطری صلاحیتوں کو جلا ملی۔

خود پرستی یا خودنمائی دراصل خودفریبی اور شیطانی حربہ ہے۔ جو معاشرے کو زوال و انحطاط کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔ انسان اپنی انا کے خول میں قید زندگی گزار دیتا ہے۔ معاشرے کو باکردار اور شخصیت ساز بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں پر مؤثر اور مثبت کام کیا جائے

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے جبکہ شخصیت سازی میں انسان کے والدین کی طرف سے ملنی والی نسلی یا موروثی خصوصیات اور اوصاف کا بھی ایک حد تک عمل دخل ہوتا ہے۔شخصیت سازی کیلئے ضروری ہے کہ انسان دنیاوی مال و متاع کے پیچھے نہ بھاگے۔ دنیاوی مال و دولت کے زور پر معاشرے میں نمایاں مقام بنانے کی کوشش اور شخصیت کو نکھارنے کے حربے دراصل اس انسان کی نہیں بلکہ دنیاوی مال کی پوجا پاٹ ہے۔ اگر آج اس کے پاس یہ مال و دولت اور جاہ جلال نہ رہے تو کوئی اس کی عزت نہ کرے۔ اصل راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی منصفانہ تقسیم کی بدولت انسان کو کم یا زیادہ جتنا بھی عطا کیا ہے اس پر شکر گزار رہے۔ اگر مال و دولت کی کثرت ہوتب بھی اور نہ ہو تب بھی اس کے علم وعمل اور سیرت و کردار میں اتار چڑھاؤ نہ آئے۔ اپنے عمل میں مخلص رہے اور دنیاوی طلب و شہرت سے باز رہے۔ دنیاوی شہرت کی طلب اور حرص محض دھوکہ اور وقتی کھیل تماشا ہے جس کے بعد بالآخر انسان نے اپنے ابدی گھر کی طرف پرواز کر جانا ہے۔

اس کے برعکس خود پرستی یا خودنمائی دراصل خود فریبی اور شیطانی حربہ ہے۔ جو معاشرے کو زوال و انحطاط کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔ انسان اپنی انا کے خول میں قید زندگی گزار دیتا ہے۔ معاشرے کو باکردار اور شخصیت ساز بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں پر مؤثر اور مثبت کام کیا جائے۔ شخصیت سازی کیلئے رہنما اصول اسلام نے واضح اور نہایت مؤثر انداز میں انسانیت تک پہنچائے ہیں بس ضرورت ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے قول وفعل اور کردار کو مخلصانہ اور مدبرانہ نظر دوڑائے۔ جس کٹہرے میں وہ دوسروں کو کھڑا کر کے پرکھتا ہے اسی کٹہرے میں خود کو کھڑا کرے۔ والدین کی اولین ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت، کردار سازی اور شخصیت سازی کیلئے خوش اخلاق، باوقار اور باکردار بنانے کیلئے تعمیر شخصیت پر توجہ دیں۔ بچے جس ماحول میں پرورش پائیں گے یقیناً اسی ماحول کی رنگت ان کی شخصیت پر غالب آئے گی۔ یہی کلیہ معاشرے کے دیگر طبقات پر بھی لاگو ہوتا ہے لہٰذا تعمیر شخصیت کیلئے اسلامی اصولوں پر زندگی گزار مفید و مؤثر بھی ہے اور خوشحال و پرامن معاشرے کی بنیادی ضرورت بھی۔

اگر ہم شخصیت سازی کے عوامل کی بات کریں تو اس میں اخلاق حسنہ کا پیکر ہونا، سچ بولنا، جھوٹ اور بدگمانی سے اجتناب کرنا، حسد اور لالچ سے دور رہنا، ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار ہونا، غصہ اور کینہ پروری سے بیزار رہنا اور نفس کی اصلاح کیلئے کوشاں رہنا جیسے عوامل بھی شامل ہیں۔

نفس کی درستگی شخصیت سازی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ نفس کی طہارت و پاکیزگی انسان کو مسجود ملائک بناتی ہے تو نفس کی آلودگی انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا کر حیوان بنا دیتی ہے۔ نفس کی اصلاح اور روحانی ترقی کے لئے اسلامی تعلیمات ہی جو کسی بھی معاشرے کے انسان کو

رشک ملائک بنا دیتی ہیں۔ اگر انسان عملی کاوشوں، محنت و ریاضیت سے اخلاق حسنہ کا مرکب بن جائے تو وہ انسانیت کی معراج کو پہنچ جاتا ہے اور اگر اخلاق رذیلہ اس کے اندر جنم لے لیں تو وہ انسان کہلائے جانے کے حق کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔ جھوٹ، لالچ، غصہ اور حسد جیسے عناصر پر قابو پالے تو انسان کی شخصیت نکھر جاتی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ سچ بولنے والا شخص نڈر، بے باک، بے خوف اور مستحکم شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ لوگ اس کی دل سے عزت کرتے ہیں اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کی جیتی جاگی مثال رسول اکرم ؟ کی حیات مبارکہ ہے کہ کفار و مشرکین بھی آپ کو صادق و امین کہتے تھے۔

تعمیر شخصیت سے متعلق کاوشوں کو عملا اپنے اندر پیدا کرنے کیلئے چھوٹی سے چھوٹی بات اور باہم میل جول اور عملی امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ جیسے بازار سے اپنے لئے جوتا یا کپڑا خریدتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ یہ ہم پر کیسا لگے گا یا ہم یہ پہننے کے بعد کیسے لگیں گے بالکل اسی طرح ہمیں اپنے قول وفعل پر بھی نظر رکھنی ہے۔ ایک اور اہم بات کہ انسان کے الفاظ اور اس کا عمل دونوں باہم مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر وہ باہم متصادم ہونگے تو انسان کی شخصیت شدید داغدار ہو جاتی ہے۔ دراصل دکھاوے سے پاک عمل اور اخلاص نیت سے کیا گیا کوئی بھی کام انسان کو معاشرے کیلئے مفید اور معاون بھی بناتا ہے اور دوسروں پر اثرانگیزی کا باعث بھی۔ لیکن دوسروں کی نظر میں اچھا نظر آنے، دنیاوی شہرت اور عزت و مقام کا لالچ اور یہ تمنا دل میں رکھنا کہ لوگ اسے اچھا سمجھیں تو ایسا شخص سستی شہرت کا خواہاں ہی رہتا ہے۔ بظاہر لوگ اس کے سامنے تو اس کی عزت کرتے ہیں مگر بیٹھ پیچھے سوائے برائی کہ کچھ نہیں کرتے۔ اسی لئے انسان کو ہر عمل کی بجاآوری صرف اس لئے کرنی چاہیے کہ دلوں کے بھید جاننے والی ذات اس کے ظاہری عمل سے بھی پوری طرح آشنا ہے اور ہر عمل کے پوشیدہ باطنی اغراض و مقاصد سے بھی باخبر ہے۔

شخصیت سازی کیلئے ضروری ہے کہ انسان دنیاوی مال ومتاع کے پیچھے نہ بھاگے۔ دنیاوی مال و دولت کے زور پر معاشرے میں نمایاں مقام بنانے کی کوشش اور شخصیت کو نکھارنے کے حربے دراصل اس انسان کی نہیں بلکہ دنیاوی مال کی پوجا پاٹ ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شخصیت کو مؤثر بنانے کیلئے اسلامی تعلیمات پر عملدآمد ناگزیر ہے۔ شکرگزاری کا رویہ دوسروں لوگوں کے دلوں میں آپ کی قدر و منزلت کو بڑھاتا ہے اور آپ کی اندر خود اعتمادی کو پروان چڑھاتا ہے۔ اپنی ناکامیوں اور غلطیوں سے سیکھیں، اپنی کامیابیوں پر نظر رکھیں۔ اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بھی اہمیت دیں اور ناکامیوں کے اسباب کا کا سدباب کرنے کیلئے اپنی اصلاح کو اہمیت دیں۔ اپنے ماضی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مستقبل کے اہداف کا تعین کریں اور حال میں اس کیلئے سنجیدہ کوشش جاری رکھیں۔ اپنے ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن رہیں۔ اپنی ناکامیوں کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دیں جبکہ اپنی ترقی کو اپنا غرور نہ بننے دیں۔ اظہار رائے کیلئے مثبت رویہ اور متداول نقطہ نظر رکھیں۔ انا و عناد پر مبنی، حقائق سے عاری اور متشدد رویے سے گریز کریں۔ اگر آپ کی رائے کے مقابلے میں دوسرے کی رائے درست ہو تو اسے تسلیم کرنے میں عار محسوس نہ کریں بلکہ دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ناپسندیدہ مگر حقائق پر مبنی رائے کو کھلے دل سے تسلیم کریں۔ جن معاملات پر عبور اور دسترس نہ ہو اظہار رائے سے گریز کریں۔ ہر معاملے میں اظہار رائے مقاصد کے اہداف سے دوری کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء

ارشاد ربانی ہے "اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا"

قرآن مجید میں تخلیق آدم کے 7 مراحل کا تذکرہ ملتا ہے

آمنہ خالد

اللہ رب العزت کی اس وسیع وعریض کائنات میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہر سو بکھری پڑی ہیں۔ آخری وحی، قرآن مجید جہاں انسان کے لیے ختمی اور قطعی ضابطہ حیات ہے، وہاں اس کائنات ہست وبود میں جاری و ساری قوانین فطرت بھی انسان کو الوہی ضابطہ حیات کی طرف متوجہ کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید خارجی کائنات کے ساتھ ساتھ نفس انسانی کے درُوں خانہ کی طرف بھی ہماری توجہ دلاتا ہے۔

جس طرح عالمِ آفاق کے جلوے اجمالاً عالمِ انفس میں کارفرما ہیں اسی طرح نظامِ ربوبیت کے آفاقی مظاہر پوری آب و تاب کے ساتھ حیات انسانی کے اندر جلوہ فرما ہیں۔ انسان کے "احسن تقویم" کی شان کے ساتھ منصۂ خلق پر جلوہ گر ہونے سے پہلے اُس کی زندگی ایک ارتقائی دور سے گزری ہے۔ یہ اس کے کیمیائی ارتقاء کا دور ہے۔ یہ حقائق آج صدیوں کے بعد سائنس کو معلوم ہو رہے ہیں، جبکہ قرآن انہیں ساڑھے چودہ سو سال پہلے بیان کر چکا ہے۔

کیمیائی اِرتقاء کے سات مراحل:

قرآنی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء کم وبیش سات مراحل سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا۔

1۔ تراب (inorganic matter)

2۔ ماء (water)

3۔ طین (clay)

4۔ طین لازب (adsorbable clay)

5۔ صلصال من حماء مسنون (old physically & chemically altered mud)

6۔ صلصال کالفخار (dried & highly purified clay)

7۔ سلالہ من طین (extract of purified clay)

قرآن مجید ان سات مراحل کا مختلف مقامات پر یوں ذکر کرتا ہے۔

1۔ تراب (inorganic matter):

اللہ رب العزت نے انسان کے اولین جوہر کو غیر نامی مادے سے تخلیق کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَاب

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی (یعنی غیر نامی مادے) سے بنایا۔ (المؤمن 67:40)

انسانی زندگی کے ان ارتقائی مرحلے کا ذکر اللہ تعالی نے اپنی صفت رب العالمین سے شروع کیا۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے پہلی آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔۔

وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

اور مجھے حکم ہوا کہ اس کے سامنے گردن جھکاؤں

جو سارے عوالم اور ان کے مظاہرِ حیات کو درجہ بدرجہ مرحلہ وار کمال تک پہنچانے والا ہے۔ (المؤمن 66:40)

یہاں اللہ رب العزت نے اپنی شانِ رب العالمین کے ذکر کے ساتھ ہی دلیل کے طور پر انسانی زندگی کے ارتقاء کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس سے واضح طور پر یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن مجید، باری تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کو انسانی زندگی کے نظام ارتقاء کے ذریعے سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ کہ اے نسلِ بنی آدم! تم اپنی زندگی کے ارتقاء کے مختلف ادوار ومراحل پر غور کرو کہ تم کس طرح (مرنا بار) اپنی تکمیل کی طرف لے جائے گے ہو۔ کس طرح تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کیا گیا اور کس طرح تم بھی بالآخر "احسن تقویم" کی منزل کو پہنچے۔ کیا یہ سب کچھ رب العالمین کے پرورش کا مظہر نہیں ہے؟

2۔ماء (water):

یوں تو ہر جاندار کی تخلیق میں پانی ایک بنیادی عنصر کے طور پر موجود ہے لیکن انسان کی تخلیق میں اللہ رب العزت نے بطور خاص پانی کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا

اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا

(الفرقان 54:25)

اس آیت کریمہ میں بھی تخلیق انسانی کے مرحلے کے ذکر کے بعد باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بیان ہے۔

وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیۡرًا. (الفرقان 54:25)

اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔

گویا یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ تخلیق انسانی کا یہ سلسلہ اللہ رب العزت کے نظامِ ربوبیت کا مظہر ہے۔

3۔طین (clay):

انسان کی تخلیق میں تراب اور ماء بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان دونوں عناصر کے مکس ہو جانے پر طین کو وجود ملا۔ طین کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یوں کیا۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی کے گارے سے پیدا فرمایا۔ (الانعام 2:6)

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مترجمین قرآن نے بالعموم 'تراب' اور 'طین' دونوں کا معنی مٹی کیا ہے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔ تراب سے مراد فی نفسہٖ زمین ہے، جبکہ طین اس مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو۔ جیسا کہ مذکور ہے۔

الطین :التراب و الماء المختلط

مٹی اور پانی باہم ملے ہوئے ہوں ہو تو اسے طین کہتے ہیں۔ (المفردات 312:)

اس لحاظ سے یہ ترتیب واضح ہو جاتی ہے۔

مٹی ـــــ پانی ـــــ گارا

4۔طین لازب (adsorbable clay):

'طین' کے بعد 'طین لازب' کا مرحلہ آیا جسے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے۔

اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ لَّازِبٍ

بیشک ہم نے اِن لوگوں کو چپکنے والے گارے سے پیدا کیا ہے۔ (الصافات 11:37)

طین لازب، طین کی اگلی شکل ہے، جب گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ حالت ہے جب گارا سخت ہوکر قدرے چپکنے لگتا ہے۔

5۔صلصال من حماء مسنون (old physically & chemically altered mud)

مٹی اور پانی سے مل کر بننے والا گارا جب خشک ہونے لگا تو اس میں بو پیدا ہوگئی۔ اس بودار مادے کو اللہ رب

العزت نے 'صلصال من حماء مسنون' کا نام دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ .

اور بیشک ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی جو (پہلے) سِن رسیدہ (اور دھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہوکر) سیاہ بودار ہو چکا تھا۔ (الحجر 26:15)

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی تخلیق کے کیمیائی ارتقاء میں یہ مرحلہ 'طین لازب' کے بعد آتا ہے۔

امام راغب اصفہانی صلصال کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہیں۔

'خشک چیز سے پیدا ہونے والی آواز کا تردُّد، کھنکھناہٹ۔ اس لئے خشک مٹی کو صلصال کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بجتی اور آواز دیتی ہے۔' (المفردات:274)

صلصال کی حالت گارے کے خشک ہونے کے بعد ہی ممکن ہے، پہلے نہیں۔ کیونکہ عام خشک مٹی سے 'تراب' کہا گیا ہے وہ اپنے اندر بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لہٰذا صلصال کا مرحلہ طین لازب کے بعد آیا۔ یہ تو طبعی تبدیلی (physical change) تھی۔ مگر اس پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کیمیائی تبدیلیاں بھی ناگزیر تھیں۔ جن میں اس مٹی کے کیمیائی خواص میں بھی تغیر آیا۔ ان دونوں چیزوں کی تصدیق اسی آیت کے اگلے الفاظ 'حماء مسنون' سے ہو جاتی ہے۔

جب گارے 'طین لازب' پر طویل زمانہ گزرا اور اس نے جلنے سڑنے کے مجلے قبول کیے تو اس کا رنگ بھی متغیر ہوکر سیاہ ہوگیا اور جلنے کے اثر سے اس میں بوری پیدا ہوگی۔ اسی کیفیت کا ذکر 'صلصال من حماء مسنون' میں کیا جا رہا ہے۔ کسی شے کے جلنے سے بدبو کیوں پیدا ہوتی ہے اس کا جواب بڑا واضح ہے۔ کہ جلنے کے عمل سے کثافتیں سڑتی ہیں اور بدبو کو جنم دیتی ہیں جو کہ مستقل نہیں ہوتی۔ جب کثافت ختم ہو جاتی ہے تو بھی معدوم ہو جاتی ہے۔

اسی لئے ارشاد فرمایا گیا:

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْن. (الحجر 26:15)

سِن رسیدہ (اور دھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہوکر) سیاہ بودار ہو چکا تھا۔

گویا لفظ 'صلصال' واضح کر رہا ہے کہ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے مٹی کی سیاہی اور بدبو وغیرہ سب ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی کثافت بھی کافی حد تک معدوم ہو چکی ہوتی ہے۔

6۔صلصال کالفخار (dried & highly purified clay)

انسان کے کیمیائی ارتقاء میں چھٹا مرحلہ 'صلصال کالفخار' ہے جس کی نسبت سے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ

اسی نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتے ہوئے خشک گارے سے بنایا (الرحمٰن 14:55)

جب تپانے اور جلانے کا عمل مکمل ہوا تو گارا پک کر خشک ہوگیا۔ اس کیفیت کو 'کالفخار' خاص سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تشبیہ میں دو اشارے ہیں۔

1۔ ٹھیکرے کی طرح پک کر خشک ہو جانا

2۔ کثافتوں سے پاک ہوکر نہایت عمدہ حالت میں آ جانا

اس مرحلے میں مٹی پاک ہو کر کر لطیف اور عمدہ حالت اختیار کر جاتی ہے۔

7۔سلالہ من طین (extract of purified clay)

انسان کی کیمیائی تخلیق کے دوران پیش آنے والے آخری مرحلے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ

اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتداء) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی۔(المومنون 12:23)

اس آیت کریمہ میں گارے کے خالص نچوڑ کی طرف اشارہ ہے جس میں اصل جوہر کو چن لیا جاتا ہے۔ یعنی مٹی میں سے چنا ہوا وہ جوہر جسے اچھی طرح میلے پن سے پاک صاف کر دیا گیا ہو۔

گویا سُلٰلَۃ کا لفظ کسی چیز کی لطیف ترین شکل پر دلالت کرتا ہے جو اس چیز کا نچوڑ، خلاصہ اور جوہر کہلاتی ہے۔

تشکیل بشریت:

کرہ ارض پر تخلیق انسانی کے آغاز کا یہ خمیر بشریت اپنے کیمیائی ارتقاء کے کن کن مراحل سے گزرا، اپنی صفائی اور لطافت کی آخری منزل کو پانے کے لیے کن کن تغیرات سے نبرد آزما ہوا اور بالآخر کس طرح اس لائق ہوا کہ اس سے حضرتِ انسان کا بشری پیکر، تخلیق کیا جائے۔ اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ تو مذکورہ بالا بحث سے ہوسکتا ہے۔ البتہ اس قدر حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آیات قرآنی میں مختلف الفاظ و اصطلاحات کے استعمال سے کیمیائی ارتقاء کے تصور کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

جب ارضی خمیر بشریت مختلف مراحل سے گزر کر پاک صاف ہوگیا اور جوہری حالت کو پہنچا تو اس سے اللہ رب العزت نے پہلے انسان کی تخلیق ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی صورت میں فرمائی اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں جس کا پیکر بشریت اس طرح تشکیل دوں گا۔ یہ تفصیلات قرآن مجید میں سورۃ البقرہ 2 30-34:، سورۃ الحجر 35-26: 15، سورۃ الاعراف 16-11: 07 اور دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔

چنانچہ بشریت انسانی کی اسی جوہری حالت کو سنوارا گیا اور اسے نفخ روح کے ذریعے (اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سے لکھا دیے) کا مصداق بنایا گیا اور تب ہی حضرت انسان مسجود ملائک ہوا۔

بشریت محمدیﷺ کی ظاہری حالت:

امام قسطلانی 'المواھب اللدنیۃ "میں سیدنا کعب الاحبار سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بشریت محمدیﷺ کو تخلیق فرمانا چاہا تو جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب سے اعلیٰ مقام کی مٹی لے آئیں تاکہ اسے منور کیا جائے۔

حضورﷺ کی بشریت مطہرہ کی لطافت جس جوہری حالت کی آئینہ دار تھی، اس کا عالم کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پیکر بشریت سے ہمہ وقت خوشگوار مہک آتی۔ پسینہ مبارک کو لوگ خوشبو کے لئے محفوظ کرتے۔ امام بخاری تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضورﷺ جس راستے سے گزر جاتے تو لوگ فضا میں مہکی ہوئی خوشبو سے پہچان لیتے کہ آپﷺ ادھر تشریف لے گئے ہیں۔

الغرض ان تمام امور سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ بشریت محمدیﷺ اپنی تخلیق کے لحاظ سے اعلیٰ، روحانی اور نورانی لطائف سے معمور تھی۔ گویا یہ تخلیقِ بشریت کے مراحل کا وہ نقطہ کمال تھا جسے آج تک کوئی نہیں چھو سکا۔ یہ اعجاز و کمال اس شان کے ساتھ فقط بشریت مصطفویﷺ کو نصیب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرمﷺ کو مقام اصطفاء سے نوازا گیا آپ کو مصطفیٰﷺ کے نام سے سرفراز کیا گیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ وہ بشریت محمدیﷺ کے صدقے اسلام کے آفاقی پیغام کو سمجھنے کی توفیق سے نوازے تاکہ ہم علمی وفکری اور سائنسی وتہذیبی پسماندگی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کرسکیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆☆☆

مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ کی ملی و سیاسی خدمات

محترمہ فاطمہ جناحؒ مسلم خواتین کی فعال رہنما تھیں

مادرِ ملت نے خواتین میں شعور بیدار کیا

سعدیہ کریم

محترمہ فاطمہ جناح جنہیں مادر ملت ہونے کا اعزاز حاصل ہے، ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کی چھوٹی بہن ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر دندان ساز اور مدبر سیاستدان بھی تھیں۔ انھوں نے پاکستان کے قیام اور اس کی ترقی کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ قائداعظم کی بہن ہونے کے حوالے سے انھیں قومی شہرت ملی تھی۔ مادر ملت فاطمہ جناح ایک قد آور شخصیت تھیں اور قائداعظم کا فخر تھیں۔

پیدائش و تعارف:

فاطمہ کی والدہ مٹھی بائی اور والد پونجا جناح تھے وہ قائداعظم کی چھوٹی بہن تھیں۔ مادر ملت فاطمہ جناح 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ دو سال کی ہوئیں تو والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا بڑی بہن مریم نے ان کی پرورش کی۔ فاطمہ کی پیدائش کے موقع پر اُن کے بڑے بھائی محمد علی جنہیں قائداعظم ہونے کا شرف حاصل ہوا اس وقت اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے برطانیہ میں مقیم تھے۔ جب فاطمہ بڑی ہوئیں اور حالات کو سمجھنے لگیں تو گھر والوں سے محمد علی کے بارے میں پتہ چلا۔ بڑی بہن محمد علی کی تصویر کشی کرتے ہوئے بتاتی کہ وہ بہت خوبصورت، دراز قد اور چاند کا ٹکڑا ہے۔ فاطمہ بار بار محمد علی کی باتیں پوچھتی اور انہی کی باتوں میں مشغول رہا کرتی۔ ایک دن پتہ چلا کہ محمد علی بھائی تعلیم مکمل کرکے واپس پاکستان آرہا ہے تو سارے خاندان سے زیادہ خوش فاطمہ تھیں۔ جب محمد علی جناح پاکستان آئے تو فاطمہ کی عمر 4 برس ہوچکی تھی۔

ابتدائی تعلیم:

فاطمہ جناح کے والد نے ان کی ابتدائی تعلیم کے لیے گھر پر ہی انتظام کررکھا تھا۔ 1901ء میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا اس کے بعد ان کے بھائی محمد علی نے ان کی تعلیم کی ذمہ داری لی۔ تعلیمی اخراجات کے ساتھ ساتھ فاطمہ کی تربیت و پرورش محمد علی نے خود کی۔ اس زمانے میں انگریزی تعلیم کا رواج تھا۔ جب محمد علی نے فاطمہ کو انگریزی سکول میں داخل کرانے کا ارادہ کیا تو پورے خاندان نے ان کی مخالفت کی لیکن ان کے بھائی نے مخالفت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ خاندان کے لوگوں نے محمد علی کا رویہ دیکھ کر فاطمہ کو قائل کرنا شروع کردیا کہ وہ بد دل ہوجائے اور علم حاصل کرنے سے انکار کردے مگر فاطمہ نے کہا کہ جو فیصلہ کرلیا جاتا ہے اس پر قائم رہنا چاہئے۔ یہ وہ سبق تھا جو انھوں نے اپنے بھائی سے حاصل کیا تھا۔

شروع شروع میں فاطمہ کو سکول جانے سے خوف آتا تھا مگر محمد علی جناح نے نہایت مدبرانہ انداز میں اس خوف کو دور کیا۔ انھوں نے ایک دن فاطمہ کو سیر کرانے کا کہا اور بگھی میں بٹھا کر اسے سیر کراتے ہوئے باندرہ کے اسکول میں لے گئے بگھی ایک جگہ پر رکی وہاں پر بچیاں خوبصورت کپڑے پہنے لکھنے پڑھنے میں مصروف تھیں۔ محمد علی فاطمہ کو چپ چاپ سیر کرواتے رہے اور اسکول کے مختلف حصے دکھاتے رہے۔ جب

فاطمہ تھک گئی تو گھر واپس لے گئے۔ اسی طرح کئی بار وہ فاطمہ کو سکول کی سیر کروانے لے کر گئے جب فاطمہ مانوس ہوگئی تو اس نے خود اس خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے سکول میں داخل کروایا جائے۔ سکول گھر سے کافی دور تھا کانونٹ کے سکول میں ہی رہائش بھی تھی۔ محمد علی ہر اتوار کو سکول میں فاطمہ سے ملنے جایا کرتے تھے۔ فاطمہ بہت ذہین اور ہونہار تھیں۔ ان کی اساتذہ بھی ان سے بہت خوش تھیں۔ ہر وقت صاف ستھری حالت میں رہتیں اچھے اخلاق کے ساتھ سب سے پیش آتیں۔ اپنی کتابیں اور دوسرا سامان نہایت قرینے اور سلیقے سے رکھتی تھیں۔ ہمیشہ سچ بولتی تھیں۔ سکول کے ہر سماجی کام میں پیش پیش رہتی تھیں۔

محمد علی نے کانونٹ سکول سے فارغ ہونے کے بعد فاطمہ کو 1906ء میں سینٹ ہیٹرک سکول کھنڈالا میں داخل کروایا تھا جہاں سے 1910ء میں میٹرک کرنے کے بعد وہ بھائی کے پاس اُن کے گھر آ گئیں۔ محمد علی ہر وقت عدالتی کاموں میں مصروف رہتے تھے لیکن اپنی بہن کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ ہائیکورٹ جاتے تو فاطمہ کی بگھی میں ساتھ بٹھا لیتے اور راستے میں اپنی بڑی بہن کے گھر چھوڑ دیتے اور عدالت سے واپسی پر فاطمہ کو ساتھ گھر لے آتے۔ شام کو سیرو تفریح کراتے اور پرائیویٹ طور پر انھیں سینئر کیمبرج کے امتحان کی تیاری کرواتے۔ اس طرح 1913ء میں فاطمہ نے پرائیویٹ طالبہ کے طور پر سینئر کیمبرج کا امتحان بھی پاس کرلیا۔

قائداعظم کی صحبت اور محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاطمہ جناح کی شخصیت میں غیر معمولی حسن اور نکھار آ گیا۔ وہ بے تکان، صاف اور بامحاورہ انگریزی بولتی تھیں۔ جنرل نالج بہت وسیع تھا گھر کی لائبریری میں موجود دنیا کے ہر ادب اور فن کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتی تھیں۔ محمد علی بھائی کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں سیاست کا شوق بھی پیدا ہوگیا تھا۔

بھائی سے محبت اور وابستگی:

بہن بھائی کی آپس میں بہت زیادہ محبت تھی۔ اکثر لڑائی جھگڑا بھی ہوجاتا اور آپس میں ناراض ہوجاتے فاطمہ کئی کئی گھنٹوں تک کمرے سے باہر نہ آتیں۔ اس موقع پر بھائی انہیں مناتے اور فاطی کہہ کر پیار سے بلاتے تو فوراً مان جاتیں جہاں تک وہ علم حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ محمد علی جناح نے انہیں تعلیم دلوائی اور ہر طرح کے لاڈ اٹھائے ان کی ہر خواہش کو پورا کیا اور انھیں ہر موقع پر اپنے ساتھ رکھا۔

محمد علی جناح کی شادی کے بعد فاطمہ جناح اپنی بہن کے گھر منتقل ہوگئیں اور آٹھ سال تک وہیں مقیم رہیں لیکن بھائی سے مستقل رابطہ رکھا۔ 1919ء میں فاطمہ جناح نے ڈاکٹر احمد ڈینٹل کالج کلکتہ میں داخلہ لے لیا اور 1922ء میں Dentist کی سند حاصل کرکے واپس بمبئی آ گئیں۔ 1929ء میں محمد علی جناح کی بیوی رتی جناح کا انتقال ہوگیا۔ محمد علی کی تنہائی اور پریشانی کو دیکھتے ہوئے فاطمہ جناح نے اپنی زندگی کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا اور پھر ایک ایسی لازوال رفاقت کا آغاز ہوا جو محمد علی جناح کے انتقال تک قائم رہی اور جس کے شب و روز فاطمہ جناح کی قربانیوں اور ایثار سے منور ہیں۔

سیاسی زندگی کا آغاز:

فاطمہ جناح نے اپنے بھائی سے سیاست کے گُر سیکھے انھوں نے بھائی کے گھر کا پورا انتظام وانصرام سنبھالا اور بھائی کو گھریلو مصروفیات سے بے نیاز کردیا۔ ایک شفیق بہن کی حیثیت سے محمد علی جناح کی زندگی کا ایسا نظام الاوقات ترتیب دیا جس سے انھیں اپنے سیاسی مقاصد کے حصول میں آسانی میسر ہوگئی۔

1935ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے تو فاطمہ جناح نے بھی ہندوستان کی مسلم خواتین کو بیدار کرنے کے لیے سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ مسلم لیگ اور کانگریس کے ہر جلسے میں شریک ہوتیں۔ قائداعظم مسلم خواتین پر بعض ناروا پابندیوں کی وجہ سے بہت متفکر رہا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”جس قوم کی نصف آبادی عضو معطل بن کر ایک طرف بیٹھی رہے وہ قوم کسی بھی عظیم تحریک کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرسکتی۔“

فاطمہ جناح نے اسی نصف آبادی کو بیدار کرنے کا بیڑا اٹھایا اور خواتین کی سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی ترقی کے لیے کام شروع کردیا۔ ان کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے

قائداعظم نے فرمایا کہ ''فاطمہ میرے سیاسی کاموں میں نہ صرف انتھک ساتھی ہے بلکہ بعض اوقات اس کے مشوروں سے بھی مستفید ہوتا ہوں۔''

محمد علی جناح اپنی بہن کی سیاسی بصیرت پر بہت اعتماد کرتے تھے جب بھی ان کا سیکرٹری کوئی مسودہ ٹائپ کرکے لاتا تو آخری منظوری کے لیے اسے فاطمہ جناح کو دکھایا جاتا۔ اکثر اپنے بیانات بھی فاطمہ جناح کو پڑھائے بغیر جاری نہیں کرتے تھے۔ وہ فاطمہ کو جنرل کونسل کہتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ''میں ہر اہم بیان جاری کرنے سے قبل اسے جنرل کونسل یعنی فاطمہ جناح کو دکھاتا ہوں۔ فاطمہ میری بہترین مشیر اور دوست ہے۔''

محمد علی جناح ہر سیاسی میٹنگ میں فاطمہ کو ساتھ لے جاتے تھے۔ 1930ء میں گول میز کانفرنس میں بھی فاطمہ ان کے ساتھ تھیں۔

خواتین میں آزادی کی تحریک پیدا کرنا:

فاطمہ جناح مسلم خواتین کے اجتماعات میں قائداعظم اور مسلم لیگ کے لائحہ عمل کو پیش کرتیں خواتین کو مقاصد تحریک سے آگاہ کرتیں اور انھیں تلقین کرتیں کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ اپنا کامل حق ادا کریں۔ وہ مسلم بہنوں کی حوصلہ افزائی کرتیں اور اُن کی بہترین کارکردگی پر انھیں خراج تحسین پیش کرتی تھیں۔ وہ خواتین کو پیغام دیتی تھیں کہ عورت کا ہاتھ ہی آج کے بچوں اور کل کے نوجوان کی زندگی کا رخ تبدیل کرسکتا ہے۔ عورت کی کوشش سے ہی ان قومی شعبوں کی ترقی ممکن ہے جن کا تعلق عوام کی اقتصادی، سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی تقاریر کے ذریعے برصغیر کی خواتین میں سیاسی شعور بیدار کیا۔

فاطمہ جناح کا خیال تھا کہ وہ خواتین جنھیں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مل رہے ہیں وہ بہت خوش قسمت ہیں اور وہ اپنی غیر تعلیم یافتہ بہنوں کی اصلاح کے لیے بہت کچھ کرسکتی ہیں۔ وہ مسلم وویمن اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاس میں شرکت کیا کرتی تھیں اور مسلم طالبات کی حوصلہ افزائی اور مستقبل کے لیے رہنمائی فراہم کرتیں۔

اپریل 1943ء میں دہلی وویمن اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے طالبات سے کہا کہ ''اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیا کے حالات سے باخبر رہیں اور روزمرہ کے واقعات، سیاسی مسائل اور ان دیگر امور میں گہری دلچسپی لیں جو ہماری قومی زندگی اور ملک پر اثر انداز ہوتے ہیں۔''

فاطمہ جناح نے خواتین کے لیے تعلیم نسواں اور تعلیم بالغاں کے مراکز بھی قائم کیے۔ وہ خواتین کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتی تھیں مسلم خواتین ان کا بے حد احترام کرتیں اور اُن کے جلسے میں شرکت کے لیے اپنے تمام کام چھوڑ دیتی تھیں۔

1940ء کے جلسے میں قائداعظم نے فاطمہ جناح کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ایک وقت ایسا آیا تھا کہ ہمیں ایک عظیم انقلاب کا سامنا تھا ہم گولیوں کی بوچھاڑ میں تھے حتی کہ موت ہمارے سامنے تھی اس نازک دور میں فاطمہ نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا اور میرے شانہ بشانہ رہی۔''

فاطمہ جناح فرماتی تھیں کہ ''میں نے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان کے لیے ایک سپاہی کی طرح دوسرے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کام کیا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران بھائی مجھے ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے لیکن انھوں نے مجھے کوئی سیاسی عہدہ نہیں دیا کیونکہ انھوں نے یہ ملک اپنے یا اپنی بہن کے لیے نہیں بلکہ پوری قوم کے لیے بنایا تھا۔''

1947ء میں پاکستان منتقل ہونے کے بعد پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے فاطمہ جناح کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ ''مس فاطمہ جناح نے برابر میری حوصلہ افزائی کی اور میری مدد جاری رکھی۔ جب برطانوی فوج مجھے گرفتار کرنا چاہتی تھی میری بہن نے ہی میرا حوصلہ بڑھایا اور جب میں حالات سے مایوس ہوتا جارہا تھا تو اسی نے میرے دل میں امید کی شمع روشن کی۔ وہ میری صحت کے بارے میں خصوصاً بڑی فکرمند رہتی ہیں۔''

فاطمہ جناح کی سیاسی خدمات:

پاکستان کے قیام کی تحریک میں فاطمہ جناح نے لازوال کردار ادا کیا۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کو منظّم کرنے اور مسلمانان ہند کی جماعت بنانے کے لیے پورے ہندوستان کا دورہ کیا تو فاطمہ جناح ان کے ساتھ رہیں اور ہر مشکل مرحلے پر انھیں مفید مشورے دیتی رہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتیں۔ مسلم لیگ کے ہر جلسے میں شرکت کرتیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل میں ان کا نام سرفہرست تھا۔ 1939ء کے بعد وہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی مستقل رکن رہیں۔ مسلم لیگ کو متحرک اور فعال بنانے کے لیے خیبر سے لے کر راس کماری تک قائداعظم کے ساتھ رہیں۔ مسلم خواتین کے ذہنوں میں مسلم لیگ کے مخالفوں کے سخت پروپیگنڈے اور تنقید کو ختم کرنے میں فاطمہ جناح نے اہم کردار ادا کیا۔ خواتین ان کی باتوں کو نہایت دلچسپی سے سنتیں اور اپنے خیالات میں نکھار پیدا کرتیں۔ وہ مسلم خواتین کی بہترین رہنما اور رہبر تھیں۔ وہ خواتین کو عملی طور پر سیاست میں شامل ہونے کی ترغیب دیتی تھیں۔ ایک جلسے میں خواتین کو ترغیب دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ

''اپنے ورثہ میں ہمیں ایک شاندار تاریخ ملی ہے۔ گزشتہ دو سو سال کی گردش روزگار نے ہمیں بہت پیچھے دھکیل دیا ہے لیکن اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی لہر جو کلکتہ کی طرف حرکت کر رہی ہے اور مسلم ہندوستان بیدار ہو رہا ہے، ان شاء اللہ ہم زیادہ دن گزرنے سے پہلے ہی اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے اور خود کو اپنی شاندار اسلامی تاریخ اور قیمتی اسلامی روایات کے شایان شان ثابت کریں گے جو اب تک ہمارے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔''

فاطمہ جناح کی نصیحتوں کا فیض اور اثر یہ ہوا کہ مسلم خواتین نے مسلم لیگ کی اعانت کے لیے مینا بازار منعقد کرنے شروع کیے۔ اپریل 1944ء میں ایک مینا بازار کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ ''مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگوں نے ایک ایسا کام شروع کیا جو فائدہ مند ہے۔ اسی طرح آپ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرسکتی ہیں اور یہ ہمارا فرض ہے کہ قوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے ہم اپنا کردار ادا کریں اور مجھے امید ہے کہ ہماری بہنیں قوم کی معیشت کو سدھارنے میں اپنا حصہ ڈالیں گی۔''

1944ء میں لاہور کے انتخابات میں مسلم لیگ کی زبردست کامیابی پر مسلم خواتین کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ ''میں اپنی قوم کی بہنوں کو مبارکباد دیتی ہوں جنھوں نے نہایت شاندار خدمات سرانجام دی اور دنیا کو بتادیا کہ پنجاب کے مسلمان پاکستان اور صرف پاکستان چاہتے ہیں۔ مجھے اس بات پر خوشی ہے کہ جیت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔''

قائداعظم کی وفات کے بعد بھی وہ خواتین کو ان کا قومی مقصد یاد دلاتی رہیں۔

حاصل کلام:

فاطمہ جناح ایک پُراثر سیاسی شخصیت تھیں۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی ایک ہی مقصد کے حصول میں گزار دی۔ اپنے قول ،فعل اور عمل سے برصغیر کی خواتین میں شعور بیدار کیا۔ انھیں ایک مقصد پر مجتمع کیا۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا درس دیا عورتوں کو اُن کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا۔ اُن میں دینی اور ملی خدمت کے جذبات کو ابھارا۔ مسلم خواتین کو اپنا دینی وقار قائم رکھتے ہوئے سیاست میں سرگرم کیا۔ مسلم خواتین کی حوصلہ افزائی کی اور منزل کے حصول تک ثابت قدم رکھنے کے لیے لحہ بہ لحہ ان کی رہنمائی کرتی رہیں۔

قیام پاکستان کے لیے اُن کی لازوال کاوشوں اور قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ ہر دور میں موجود خواتین کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اُن کا کردار خواتین کے لیے مشعل راہ ہے۔ مقصد کے حصول کے لیے ڈٹ جانا اور اپنی تمام تر توانائیوں کو عمل میں لاتے ہوئے منزل کی طرف بڑھتے رہنے کا درس ہمیں فاطمہ جناح کی زندگی سے ملتا ہے۔ آج کے دور میں جب ملک انتہائی ابتر سیاسی حالات کے بھنور میں ہے خواتین کو فاطمہ جناح کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

بیماری، تشخیص اور علاج

صحت جسمانی، نفسانی اور روحانی خوشی کا نام ہے

طبی معائنہ کا بنیادی مقصد اصل بیماری کا پتہ لگانا ہے

مریم اقبال

تشخیص کا لغوی معنی ''جانچ کا تعین کرنا'' ہے۔ یعنی کسی مرض کے متعلق تحقیق سے پہنچان لینا کہ یہ واقعی مرض ہے۔

صحت جسمانی، نفسانی اور روحانی حیثیت سے مکمل خوشی کا نام ہے لیکن جب ان میں سے کوئی ایک مناسب نہ ہو تو وہ حالت مرض ہے۔ اس کی صحیح شناخت اور ان کی علامات و جسمانی اعضاء کی ساخت یا ان کے افعال میں کسی تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہو چکی ہوں، تلاش کر کے متعین کر لینا کہ کسی مفرد عضو میں بگاڑ ہے تشخیص کہلاتا ہے۔

تشخیص کو عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔عمومی تشخیص:

اس سے مراد ہے کہ اشخاص کی وضع قطع، اخلاق و عادات، کردار، برتاؤ، چال ڈھال، گفتگو، معمولات، شوق، آواز، رنگت، بو، پسندیدگی، جلد، چہرے سے نظر آنے والی علامات اور اس کی نفسیات سے کافی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔

2۔خصوصی تشخیص:

اس سے مراد ہے کہ مریض کا علاج کرنے کی غرض سے بنظر غائر، بھرپور توجہ اور مکمل یکسوئی سے جائزہ لینا۔ اس مقصد کو حل کرنے کے لئے چہرہ، نبض قارورہ، لیبارٹری ٹیسٹ، اور مریض کا اپنا بیان اور اس کی گزشتہ ہسٹری سے مدد لی جاتی ہے۔ بس یہی تشخیص کے پانچ بنیادی ذرائع ہیں جن کی روشنی میں مرض سبب مرض اور ان کی علامات سے یقین کی حد تک آگاہی ہو جاتی ہے۔

جن علامات کے ساتھ جسمانی مرضیاتی تبدیلیاں پائی جائیں، انہیں عضوی امراض (Organ Diseases) کہتے ہیں جبکہ ایسی علامات جن کے ساتھ کوئی مرضیاتی تبدیلی موجود نہ ہو انہیں فعلیاتی امراض (Functional Diseases) کہتے ہیں اور وہ متعین اسباب جو امراض کی پیدائش کے سبب بنتے ہیں وہ مرضیاتی عوامل (Etiological Factors) کہلاتے ہیں۔ ان اسباب کے نتیجے میں جب مرض پیدا ہوتا ہے تو اس کا نتیجہ کامل شفایابی سے لے کر موت تک کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اس متوقع نتیجے کے بارے میں قیاس آرائی کو انذار مرض (Prognosis) کہتے ہیں۔ مرض کی وجوہات کے تعین اور اس کی وجہ سے واقع ہونے والی عضوی خرابیوں کی نشاندہی کو (Diagnosis) کہتے ہیں۔

صحیح تشخیص کے لئے انسانی جسم کے بنیادی خلیے اور اعضاء کے باہمی تعلق کا مطالعہ ضروری ہے تا کہ ان کی مناسب اور غیر مناسب کارکردگی سے گہری واقفیت ہو جائے۔ طبی تشخیص مختصراً Dx یا DSاس بات کا تعین کرنے کا عمل ہے کہ کون سا مرض یا حالت کسی شخص کی بیماری اور اس کی

علامات کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کو اکثر طبی تشریح سے وابستہ ہونے کی وجہ سے تشخیص کہا جاتا ہے۔ تشخیص مریض پر مرکوز ایک پیچیدہ عمل کا ایک انتہائی اہم حصہ ہے، جو مریض اور طبی معلومات کے دیگر ذرائع دونوں کے ساتھ مل کر مریض کی موجودہ حالت کا سبب بننے والے ممکنہ صحت کے مسئلے کا جاننا ہے۔ تشخیص کے لئے درکار معلومات عام طور پر تاریخ اور طبی دیکھ بھال کے خواہاں شخص کی جسمانی جانچ پڑتال سے جمع کی جاتی ہیں۔ اکثر ایک یا ایک سے زیادہ تشخیصی طریقہ کار، جیسے تشخیصی ٹیسٹ وغیرہ علاج کے دوران بھی کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات بعد از مرگ تشخیص ایک قسم کی طبی تشخیص سمجھی جاتی ہے۔

تشخیص اکثر چیلنج ہے، کیونکہ اکثر علامتیں غیر ضروری ہوتی ہیں یا پھر عموماً مختلف بیماریوں میں ان علامات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، جلد کی لالی (erythema)، سر درد (Headache)، آنکھوں کی جلن، آنکھوں کی سوزش، آنکھوں میں پانی، چھینکیں (sneezing)، سوجن (swelling)، ناک اور گلے میں خارش (itchy nose and throat)، جلد پر خارش (Hives or Skin rashes)، معدے کی تکلیف (اسہال، متلی، الٹی، گیس کی زیادتی، بدہضمی) ہونٹوں، چہرے، یا زبان کی سوجن، سانس لینے میں دشواری یا گھبراہٹ، بیہوش ہونا، یا سر ہلکا ہونا بہت سی امراض کی علامات ہے۔ صرف اس طرح کی عمومی علامات کے ذریعے علاج کرنا بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اور ان علامات سے اصل مرض بھی واضح نہیں ہوتا۔ اصل مرض کی تشخیص کیلئے ڈاکٹرز کے بتائے گئے تشخیصی ٹیسٹس کروانا بہت ضروری ہے۔ تشخیص مکمل علاج اور صحت کا ایک اہم جز ہے۔ اعداد و شمار کے نقطہ نظر سے، تشخیصی طریقہ کار میں درجہ بندی کے ٹیسٹ شامل ہیں۔ ڈاکٹر مریض کی جانچ پڑتال اور معائنہ کرتا ہے اور بیماری کا اندازہ لگاتا ہے۔ طبی مشاورت میں

روحانی اور جسمانی بیماریوں سے نجات کے لیے ایمان اور علاج کے درمیان ایک مضبوط تعلق ہے اگر ایمان کی کیفیت میں پختگی ہوگی تو بیماری سے شفاء بھی اسی قدر تیزی سے ہوگی

مریض سے اصل شکایت، علامات، مریض کو درپیش مسائل اور ان کے شروع ہونے کا وقت اور اگر یہ بیماری خاندانی ہے تو اس کی معلومات لی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا نتائج مرض کو نام دینے کے لئے مل جاتے ہیں، لیکن بیماری کے لحاظ سے، کورس کا مشاہدہ کرنے اور علاج کرنے کی کوشش کرنے کے بعد پہلی بار تشخیص کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ حالیہ برسوں میں، ایک خودکار تشخیصی آلہ جو میکانکی طور پر ان کارروائیوں کا ایک حصہ انجام دیتا ہے اسے پروٹو ٹائپ کردیا گیا ہے۔

مرض کی تشخیص صرف یہ نہیں ہے کہ جب مریض ڈاکٹر کے سامنے آئے تو ڈاکٹر جادوئی نظر سے خود ہی بیماری کا اندازہ لگا لے۔ بلکہ تشخیص ایک اہم عمل ہے جو کہ بنیادی طور پر اس وقت شروع ہوتا ہے جب مریض اپنے بنیادی نگہداشت کے ڈاکٹر سے بیماری میں پیش آنے والی تکالیف کا تذکرہ کرتا ہے۔ پہلا مرحلہ مرض کے دورانیے اور اس میں آنے والی تکالیف اور علامات کا جاننا اور جائزہ لینا ہے، اس کے بعد جسمانی معائنہ کیا جاتا ہے۔ جس میں خون کے ٹیسٹس (CBC, blood glucose test, liver function test, cholesterol test, triglyceride level test, (high-density lipoprotein (HDL level test, (low-density lipoprotein (LDL level test, basic metabolic panel, renal function panel etc.)، پیشاب کے ٹیسٹ (Red blood cell urine test, Glucose urine test, Protein urine test, Urine pH level test, Ketones urine test, Bilirubin

(urine test, Urine specific gravity test) ، اور دیگر جسمانی مادوں کے ٹیسٹ (Semen Analysis, Sweat Chloride, Fetal Fibronectin (FFN), Amniotic Fluid Analysis, CSF Analysis, Synovial Fluid Analysis, Pleural Fluid Analysis)وغیرہ شامل ہیں۔

کلینیکل پریکٹس میں (Diagnosis) تشخیص

انسان کو بیماری کا لاحق ہونا من جانب اللہ ہے اوراللہ تعالی نے ہر بیماری کا علاج بھی نازل فرمایا ہے جیسے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے اللہ تعالی نے ہر بیماری کی دواء نازل کی ہے

فیصلہ سازی کی بنیاد ہے۔ بیماری کی تشخیص علاج کیلئے اہم معلومات فراہم کرتی ہے جو شدید بیماری کے نتائج کو متاثر کرتی ہے۔ تاہم، کلینیکل پریکٹس میں تشخیص کے مرکزی کردار کو اس ثبوت کے ذریعے چیلنج کیا جاتا ہے کہ اس سے مریضوں کو ہمیشہ فائدہ نہیں ہوتا اور مریض کے نتائج کا تعین کرنے میں بیماری کے علاوہ دیگر عوامل اہم ہوتے ہیں۔ متواتر 'ہاں 'یا' نہیں ' کے طور پر بیماری کے تصور کو مسلسل تقسیم کے ساتھ تشخیصی اشارے کے متواتر استعمال سے چیلنج کیا جاتا ہے، جیسے کہ بلڈ شوگر، جو مریض کے مستقبل کے نتائج کے امکان کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے طور پر بہتر طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ بہت سی بیماریاں، جیسے دائمی تھکاوٹ کو بیماری کی تشخیص کے نقطہ نظر سے مفید طور پر لیبل نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے معاملات میں، ایک پروگنوسٹک ماڈل (prognostic model) کلینیکل پریکٹس کے لیے ایک متبادل فریم ورک فراہم کرتا ہے جو بیماری اور تشخیص سے آگے بڑھتا ہے اور مستقبل میں مریض کے نتائج کی پیشن گوئی کرنے اور ان کو بہتر بنانے کے لیے فیصلوں کی رہنمائی کے لیے معلومات کی ایک وسیع رینج کو شامل کرتا ہے۔ اس طرح کی معلومات میں غیر بیماری کے عوامل اور جینیاتی اور دیگر بائیو مارکر شامل ہوتے ہیں جو نتائج کو متاثر کرتے ہیں۔

بہت سی امراض ایسی بھی ہیں جن کی ابتدائی طور پر علامات واضح نہیں ہوتیں، اور نہ مریض کو اپنے جسم میں کوئی واضح تکلیف، یا تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی امراض بڑھتے بڑھتے جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ Hypertension (high blood pressure), Hepatitis B and C, Herpes simplex virus (HSV), Type II diabetes, Glaucoma, Osteoporosisوغیرہ شامل ہیں۔ ایسی امراض سے بچاؤ کیلئے اپنے روٹین ٹیسٹ کروانا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کینسر جیسی موذی مرض کی بھی ابتدائی طور پر علامات ظاہر نہیں ہوتیں اور یہ بڑھتے بڑھتے آخری سٹیج تک پہنچ جاتا ہے اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ ایسی موذی بیماریوں سے بچاؤ اور صحت مند اور خوشحال زندگی کیلئے روٹین چیک اپ کروانا انتہائی مفید ہے۔

طبی معائنہ کا بنیادی مقصد جتنی جلدی ممکن ہو سکے بیماری کا پتہ لگانا ہے، تا کہ کسی بھی پیچیدگیوں کے امکان کو کم کرنے کے لئے ابتدا میں ہی یا جلد از جلد ان کو قابو میں لایا جا سکے۔ تمام بیماریوں کا طبی معائنہ کے ذریعے ابتدائی طور پر علاج کے لئے سراغ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ صرف کچھ دائمی امراض اور چند سست رفتار سے بڑھنے والے کینسر کا باقاعدہ طبی معائنہ کے ذریعے مؤثر طریقے سے پتہ لگایا جا سکتا ہے طبی معائنے قطعی جامع نہیں ہوتے ہیں۔ بڑوں کو مسلسل اپنی جسمانی تبدیلیوں پر توجہ دینی چاہئے۔ بعض دائمی امراض جیسا کہ ذیابیطس اور زیادہ بلڈ پریشر کی ابتدائی علامات شاید نہیں ہوتی ہیں، لیکن بڑی عمر کے افراد پر ان کی پیچیدگیاں انتہائی سخت نقصان کا سبب بن سکتی ہیں۔ جلدی سراغ لگانا اور علاج مؤثر طریقے سے ان کو کنٹرول کرنے میں مدد دیتا ہے۔ تاہم، بڑی

عمر کے افراد کو ان عمومی بیماریوں کے لئے باقاعدگی سے معائنے کرانے چاہئیں۔ صحت کے خطرے بڑوں کے لئے ایک طبی معائنہ میں ہمیشہ طبی پیشہ ور افراد کی طرف سے انجام دی گئی تشخیص کو شامل کرنا چاہئے، سمجھنے کے لئے کہ آیا ان میں خطرہ کے حامل عوامل (جیسا کہ ناقص غذا، ورزش کی کمی اور تمباکو نوشی کی عادت) ہیں یا افعالی نقائص (جیسا کہ کمزور سماعت، بصارت یا توازن کی طاقت) موجود ہیں یا نہیں۔ پھر بیماریوں یا حادثات کے ان خطرات کو کم کرنے کیلئے مناسب اصلاح، رہنمائی، حوالہ اور مشورہ فراہم کیے جا سکتے ہیں۔

صحیح تشخیص کرنا صحت کی دیکھ بھال کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس سے مریض کی اصل مرض سے متعلق آگاہی ہوتا ہے اور یہ علاج کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ تشخیصی عمل ایک پیچیدہ اور باہمی تعاون پر مبنی سرگرمی ہے جس میں مریض کی صحت کے مسئلے کا تعین کرنے کے لیے طبی استدلال اور معلومات اکٹھا کرنا شامل ہے۔ اگر اس پیچیدہ عمل میں کسی قسم کی غلطی کا امکان ہو جائے تو اس کے نتائج تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ تشخیصی غلطیاں مناسب علاج کو روکنے یا تاخیر کرنے، غیر ضروری یا نقصان دہ علاج فراہم کرنے، نفسیاتی یا مالی اثرات کے نتیجے میں مریضوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

ڈاکٹرز درست تشخیص کی اہمیت سے خوب واقف ہیں۔ سائنسدانوں اور ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ تشخیص پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہے کیونکہ غلط تشخیص ہونے پر مریض کو بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ ایک تشخیصی غلطی کے نتیجے میں مریض کو بروقت، مؤثر علاج سے انکار یا ممکنہ طور پر زہریلی یا غلط دوائیں دی جا سکتی ہیں۔ جہاں فوری علاج سے مریض کو مکمل صحت مل سکتی ہے، وہاں غلط تشخیص کے نتائج تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ صحیح تشخیص حاصل کرنا مریض کے لیے کلید ہے۔ بروقت انداز میں کئے جانے کے علاوہ، تشخیص اور مضمرات کو مؤثر طریقے سے بتانا ضروری ہے۔

زیادہ تشخیص بھی ایک تشویش ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کسی ایسی حالت کی تشخیص کی جاتی ہے جو کسی بھی علامت یا خراب صحت کا سبب نہیں بنتی ہے۔ اس کے نتیجے میں صحت اور بیماری کے درمیان فرق واضح نہیں ہوتا۔ اگرچہ زیادہ تشخیص غلط نہیں ہے، لیکن اس کے نتیجے میں نقصان، زیادہ علاج اور غیر ضروری پریشانی ہو سکتی ہے۔ بعض سائنسدانوں نے اسے اوور ٹیسٹنگ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ قانونی چارہ جوئی کے زیادہ خطرہ والی خصوصیات جیسے نیورو سرجری، آرتھوپیڈک سرجری، ایمرجنسی میڈیسن میں زیادہ سے زیادہ تحقیق ضروری ہوتی ہے۔ مریضوں کے اس یقین سے مسئلہ بڑھ جاتا ہے کہ زیادہ ٹیسٹوں کا مطلب بہتر نگہداشت ہے۔ دور حاضر میں صحت مند زندگی کیلئے اور انفیکشنز (viral infections, bacterial infections, fungal infections) سے محفوظ رہنے کیلئے تدابیر اختیار کرنا اور معمولی سی علامت بھی نظر آنے پر ڈاکٹر سے رجوع کرنا بہت ضروی ہے۔ بروقت تشخیص ہو جانے سے دیگر بہت سی پیچیدگیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

انسان کو بیماری کا لاحق ہونا من جانب اللہ ہے اور اللہ تعالی نے ہر بیماری کا علاج بھی نازل فرمایا ہے جیسے کہ ارشاد نبویﷺ ہے اللہ تعالی نے ہر بیماری کی دواء نازل کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی نے معلوم کر لی اور کسی نے نہ کی بیماریوں کے علاج کے لیے معروف طریقوں (روحانی علاج، دواء اور غذا کے ساتھ علاج، حجامہ سے علاج) سے علاج کرنا سنت نبویﷺ سے ثابت ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی میں طب نبویﷺ کو اپنائیں تو ہم ایک صحت مند اور خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔ روحانی اور جسمانی بیماریوں سے نجات کے لیے ایمان اور علاج کے درمیان ایک مضبوط تعلق ہے اگر ایمان کی کیفیت میں پختگی ہو گی تو بیماری سے شفاء بھی اسی قدر تیزی سے ہوگی۔

☆☆☆☆☆

سماجی زندگی میں ادب واحترام کی اہمیت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمدہ اخلاق والے ہی کامل ایمان والے ہیں

ادب کے بغیر انسانی زندگی بے مقصد اور بے معنی ہے

اقصیٰ منور

ادب کے لغوی معنی تہذیب کے ہیں۔ انسان کا رہن سہن، بات چیت کا انداز، پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تہذیب ہے۔علمی لحاظ سے عالموں اور فلسفیوں نے ادب کی تعریف کچھ اس طرح سے کی ہے کہ یہ وہ حسن کلام اور تاثیر کا نام ہے جو چیز ادب کو عام انسانی گفتگو اور تقریر سے ممیّز کرتی ہے۔ یہ وہ کلام کا حسن اور تاثیر ہے کہ جس کی مدد سے انساں اپنی بات کو خوبصورت طریقے سے ادا کرتا ہے اور اتنے مؤثر طریقے سے ادا کرتا ہے کہ سننے والا اثر قبول کرے اور جو کچھ بات کرنے والا چاہتا وہ اثر ڈال سکے۔اس قسم کے کلام کو ادب کہتے ہیں۔

ایک بہترین معاشرے کا وجود اس کے افراد کے درمیان ادب سے ہی ممکن ہے۔ ہماری سماجی زندگی میں گزربسر، رہن سہن ، ملنے جلنے اور رسموں رواج کو برتنے کے لیے ادب و احترام کے ہی اصول لگتے ہیں اور اسلام ہمیں بہترین ادب کے اصولوں کا درس دیتا ہے۔

حضرت عُمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں:ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھے تھے کہ اچانک سفید لباس میں ملبوس ایک شخص آیا، اس کا لباس نہایت صاف ستھرا اورسر کے بال بالکل سیاہ تھے۔ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ بہرحال، وہ شخص آپ ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور عرض کیا یامحمد ﷺ! مجھ کو اسلام کی حقیقت کے بارے میں بتایئے! آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہو، تو حج کرو۔ مسافر نے عرض کیا بے شک، آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔حضرت عُمرؓ فرماتے ہیں ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ آپ ﷺ سے سوال بھی کرتا ہے اور پھر جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس شخص نے پھر پوچھا اے محمد ﷺ! ایمان کی حقیقت کے بارے میں بتایئے! آپ ﷺ نے فرمایا !تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس بات کا یقین رکھو کہ بُرا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے، وہ سب کچھ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔ مسافر نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ اس شخص نے پھر پوچھا احسان کے بارے میں بتایئے! آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو، اور اگر ایسا ممکن نہیں، تو یہ دھیان رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ قیامت کے بارے میں بتائیں، کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ مسافر نے کہا کہ اس کی نشانیاں ہی بتادیں۔ آپ نے فرمایا لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی، فقیر، بکریاں چرانے والے عالی شان عمارات بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ حضرت عُمرؓ فرماتے ہیں، پھر وہ مسافر چلا گیا۔میں نے

تھوڑی دیر توقف کیا۔ آپ ﷺ نے خود ہی پوچھا کہ اے عُمرؓ! جانتے ہو کہ یہ شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے، جو تم کو دین سکھانے آئے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنے، اور سیکھنے کا پہلا اصول، جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے ہم انسانوں کو سکھایا گیا، وہ ادب ہے۔ اور یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ، علم کی کمی ادب سے پوری ہوسکتی ہے، لیکن ادب کی کمی علم سے پوری نہیں ہوسکتی۔

اپنے دل میں اللہ سے محبت، اللہ کے رسول ﷺ سے محبت، اللہ کے دین سے محبت، اللہ کی مخلوق کی محبت کے جذبے کو محسوس کرنا ادب کی ہی بدولت ہے۔ محبت محنت یا قسمت کی بجائے ، ادب سے حاصل ہوتی ہے۔ ادب محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے اصول حیات، طرز سلوک اور معاشرت کے آداب وحی الٰہی پر مبنی ہے۔ اللہ عزوجل نے معاشرت و معیشت کے تمام اصول پوری جمعیت کے ساتھ فصاحت و بلاغت کے ساتھ قرآن میں بیان کردیے ہیں پھر آپ ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ان احکامات پر عمل کرکے دکھایا۔ اس لیے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جب ہم ادب و احترام کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے قرآن و حدیث کی طرف گامزن ہوتے ہیں تو سماجی آداب میں سب سے بلند مقام اخلاق کا ہے۔ اسلام نے زندگی میں سب سے زیادہ مقام اخلاق کو دیا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مسلمانوں میں سب سے کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔

اور فرمایا: میزان میں جو چیز سب سے بھاری ہوگی وہ حسن اخلاق ہے

ادب و احترام میں سب سے پہلا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ االلہ تعالیٰ کا ادب یہ ہے کہ اس کے حکم کو بجا لایا جائے۔

اسلامی تاریخ کی روشنی میں یہ بات بیان ہے کہ ادب ہی کی بنا پر حضرت جبرائیل علیہ السلام سیّدالملائکہ بنے اور شیطان نے بھی اللہ کے بندے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرکے اللہ کی بے ادبی کی تھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوگیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ادب بھی ہم پر فرض ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد صحابہ کرامؓ کا کچھ عجیب حال ہوگیا تھا، وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرنے میں بہت احتیاط برتنے لگے تھے ،سیدنا ابوبکر صدیقؓ حاضر خدمت ہوکر عرض کرنے لگے ،یارسول اللہ ﷺ!قسم ہے کہ میں مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی سرگوشی کرتا ہے، سیدنا عمر فاروقؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے تھے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

ہمیں ہمارا مذہب جس طرح ہر نبی، ولی اور مومن کا احترام کرنا سکھاتا ہے بالکل اسی طرح اپنی سماجی زندگی میں ماں باپ، بزرگ، رشتہ دار،اساتذہ کرام، ہمسائے, دوست اور بڑوں کے احترام کا درس دیتا ہے۔ چھوٹوں کا ادب یہ ہے کہ ان کے ساتھ شفقت کی جائے۔ نیز ہر ایک کے ساتھ خوبصورت رویہ رکھنا ادب ہے۔ کسی کو اذیت نہ دیں، دکھ نہ دیں، دل نہ توڑیں اور عزت نفس مجروح نہ کریں۔ ہر ایک کا لحاظ کرنا ادب ہے۔ اسلام نے ادب واحترام میں خدا اور نبی ﷺ کی ذات کے بعد ماں باپ کی ذات کو قابل احترام ٹھہرایا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے: اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے نیک سلوک کا حکم دیا ہے (العنکبوت :۸)

اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر مذہب اور تہذیب والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتی ہے۔ مگر اسلام میں والدین کو سب سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔اسلام میں تو ماں باپ کو مسکرا کر دیکھنا بھی صدقہ ہے۔

اسی طرح قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور ان کا احترام یقیناً باعثِ سعادت ہے کہ حدیثِ پاک میں ان سے صلہ رحمی کرنے پر عمر میں اضافہ اور رزق میں وسعت کی بشارت ہے۔

دینِ اسلام استاد کے ادب و احترام کا بھی حکم دیتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَّاادَبَ لَہ لَا عِلْمَ لَہ یعنی جو بے ادب ہو، وہ علم سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا۔ (المنہبات، ص13)

اسی لیے بزرگانِ دین اپنے استادوں کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔ ان کی موجودگی میں نگاہیں جھکائے، ہمہ تن گوش ہوکر علم حاصل کرتے۔

جب انسان ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ، اپنے رب کے سامنے اٹھاتا ہے اور اس سے اپنی دعائیں مانگتا ہے، اپنی مجبوریاں بتاتا ہے، اپنی اداسی بتاتا ہے، اپنی حاجت کو پورا کرنے کی دعا مانگتا ہے، تو اللہ اس کی دعا کو ضرور سنتا ہے۔ اگر تو اس انسان کے دل میں نا امیدی اور تکبر ہے تو وہ کبھی بھی دعا مانگنے کا لطف اور اپنے رب کے سامنے فریاد کرنے کا مقصد حاصل نہیں کرسکتا۔ اللہ کے سامنے جب ایک انسان دعا مانگتا ہے تو اس میں سب سے اہم چیز انسان کی عاجزی، انکساری اور ادب و احترام ہے۔ انسان صرف اللہ کے سامنے جھک کر دعا ہی مانگ سکتا ہے اور اللہ ادب کے ساتھ مانگی گئی دعاؤں کو ضرور کرتا ہے۔

انسان جب ایک ساتھ رہتا ہے تو ایک دوسرے کے یہاں آنے جانے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، ایسے موقع پر اگر انسان حدود کی رعایت نہ کرے تو بہت سے فتنے پیدا ہوں گے؛ اس لیے قرآن نے اس کے لیے کچھ حدود وآداب مقرر کیے ہیں مثلاً اجازت لے کر جاؤ نیز اجازت کا طریقہ یہ ہے کہ: دروازہ سے باہر سلام کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰـایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیرَ بیوتِکم حتّٰی تستأنِسُوا وتُسلِّموا علٰی اھلِھا ذٰلکُم خیر لکم لعلکم تذکرون (نور:)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں مت جاؤ؛ مگر اجازت لے کر اور گھر والوں کو سلام کرکے، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے؛ تاکہ تم سبق حاصل کرو۔

اگر دوسرے کے گھر کی عورتوں سے کچھ لینا ہوتو اس کا ادب یہ بتایا گیا:

وَاذا سَألتُموھُنَّ مِنْ وَراءِ حجاب ذلکم أطھر لقلوبِکم وقلوبِھن (احزاب:)

جب ان گھر والیوں سے کچھ مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو، اسی میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکی ہے۔

آپس میں سلام کا ادب قرآن نے یہ بتایا کہ سلام کا جواب سلام سے بہتر ہونا چاہئے:

اذا حُیّیتم بتحیۃٍ فَحَیّوا بِأحسنِ منھا أورُدّوھا (نساء:)

ترجمہ: جب تم کو سلام کیا جائے تو اس کا جواب اور بہتر پیرائے میں دو یا کم از کم اسی کو دہرادو۔

کسی مجلس میں ہوتو آپس میں کان میں بات کرنے کو خلاف ادب قرار دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنّما النجویٰ من الشیطٰن (مجادلۃ:)

کانا پھونسی کرنا شیطان کا کام ہے۔

گفتگو کا سلیقہ بتایا گیا کہ نرمی اور ملائمت کے ساتھ اور سامنے والے کی عزتِ نفس کا خیال کرتے ہوئے بات کی جائے، ارشاد ہے:

فقولا لہُ قولاً لیناً (طٰ:) ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو۔

وَاغْضُضْ مِن صوتِك انَّ انکرَ الأصواتِ لصوتُ الحمیر (لقمان:)

پست آواز میں بات کرو اس لیے کہ سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔

قولٌ معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذیً (بقرۃ:)

اچھی بات کہنا اور درگذر کرنا، اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری ہو۔

ہماری سماجی زندگی میں ادب واحترام ایک بے حد اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ادب و احترام ہی ہے جو ہمیں اشرف المخلوقات میں شمار کرتا ہے یہی وہ چیز ہے جو جانوروں اور انسان کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے ورنہ زندگی جینے کے ڈھنگ تو جانوروں کو بھی آتے۔ اچھا ادب و احترام یہی ہے کہ ہم ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور ہر حقدار کو اس کا حق دیں اور محبت کے ساتھ رہیں کیونکہ ادب ہی پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں سے۔ ☆☆☆☆☆☆

قرآن اور نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس نے اے سلطان خوباں تجھ کو پہچانا نہیں
اس نے ذاتِ کبریا کو مطلقاً جانا نہیں

از: حافظ محمد طیب زرفی

اللہ پاک نسبتوں کا محتاج نہیں بلکہ وہ نسبتوں کا خالق ہے مگر وہ ذات صمدیت بے نیاز ہو کر بھی جگہ جگہ محبوب حجازیﷺ کی نسبتوں سے بات کرتی ہے۔ذات کبریا محبوب خدا کی نسبتوں سے آشنائی کراتی ہے اور مخلوق کو رسولﷺ کی نسبت سے باخبر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی افادیت و اہمیت اور ناگزیریت بھی آشکار کرتی ہے فرمان عالیشان ہے:

وَاذقال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة(بقرہ"30)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں "یہاں اللہ تعالیٰ حضور اکرمﷺ سے حضرت آدمؑ کے نائب بنانے کا واقعہ ذکر فرما رہے ہیں لیکن آیت کے اندر "ربک" کا لفظ لگا کر مالک کون و مکاں نے اپنی مخلوق کو اس لاڈلے رسولﷺ سے نسبت استوار کرنے کا اشارہ دیا ہے ۔"ربک "کے بغیر بھی مضمون بیان ہوسکتا تھا لیکن قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اپنی اپنی جگہ افادیت و انفرادیت کا حامل ہے اور ایک ایک سطر اپنے اندر حکمت و دانائی کے موتی سمیٹے ہوئے ہے۔

ذرا چشمِ تصور سے دیکھئے جب ان آیات کا نزول ہوا ہوگا اور جبرائیلؑ ان آیات کی وحی لے کر حضور اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہونگے اور حضور اکرمﷺ نے جبرائیلؑ سے "ربک" کا پیار بھرا لفظ سنا ہو گا تو صاحب لولاکﷺ کی خوشی کا عالم کیا ہو گا ؟نبی مختارﷺ نے اپنے سینے میں کتنی ٹھنڈک محسوس کی ہوگی؟ چہرہ انور پر تبسم کا عالم کیا ہوگا؟ وہ کتنے پُرکیف لمحات ہوں گے؟ وہ کتنی برکات آفریں گھڑیاں ہوں گی؟ اپنے محبوب نبیﷺ کو خوش خوش دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں کیسے اُمڈ اُمڈ کر آئی ہونگیں؟ پھر کرم کے بادل کس طرح برسے ہونگے؟

مذکورہ بالا آیت میں "ربک " کی جگہ "رب الملائکۃ " بھی آجاتا تو بات میں میں فرق نہ پڑتا بلکہ مزید ربط پیدا ہو جاتا اور بات زیادہ نکھر جاتی کیونکہ آگے فرشتوں کا ذکر ہے اور ترجمہ یوں بنتا کہ "جب فرشتوں کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں ،لیکن خالق کون و مکاں یہاں سدرۃ المنتھیٰ والی نسبت کو چھوڑ کر قاب قوسین والی نسبت کو مزید پکا اور مضبوط کرنے کا سبق دے رہے ہیں جو کائنات کی ارفع و اعلیٰ نسبت ہے۔ اس نسبت پر ساری نسبتیں قربان ہو جاتی ہیں اور اس تعلق پر آ کر سارے تعلق ختم ہو جاتے ہیں ۔اس رشتے پر آ کر سارر رشتے گم ہو جاتے ہیں۔ یہ نسبت دنیا میں بھی مقدم اور عقبیٰ میں باعث نجات ہے۔اعلیٰ حضرت نے اس نسبت کی کڑیوں کو یوں بیان کیا ہے کہ:

تجھ سے در، در سے سگ، اور سگ سے ہے نسبت مجھ کو
میری گردن میں بھی دور کا ڈورا تیرا

سورۃ فیل کو پڑھ لیں "**الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل** " ،" کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے

ہاتھی والوں سے کیا کیا "محبوب ارض و سما یہاں اپنے محبوب نبی ﷺ کو عام الفیل میں ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کا انجام بتا رہے ہیں ۔ماضی کا یہ قصہ قرآن مجید کے اندر سینکڑوں واقعات کی طرح ایک واقعے کے طور پر درج ہے لیکن "ربک" کے لفظ نے پوری آیت کے مفہوم میں ربط رسالت ﷺ کا وہ پیغام دیا ہے جو اس لفظ کے بغیر ممکن نہ تھا۔

فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة "حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا " کہ مصداق ارشادات ربانی حکمت پر مبنی ہیں ،لیکن یہ الگ بات کہ فرقہ وارانہ پت جھڑ کے موسم میں دین کا ایسا خشک تصور پیش کیا گیا جو جذبہ محبت سے عاری اور جدا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھوں سے نادانی کی اس پٹی کو اتارنے کے لیے بار بار تعلق بالرسول کے لطیف اشارے قرآن مجید میں جگہ جگہ فرمائے اور بار بار اس نسبت کی طرف توجہ دلائی ہے۔جب خدا اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتے وقت تاجدار ختم نبوت ﷺ کا واسطہ درمیان میں لانے کا اہتمام فرماتا ہے تو ہم بندے ہو کر رسول ﷺ کے واسطے کو چھوڑ کر خدا سے براہ راست تعلق کو کس طرح قائم رکھنے کی کوشش میں ہیں۔ حالانکہ دین کا اصول تو یہ ہے کہ جو خدا سے تعلق جوڑنا چاہتا ہے وہ شافع محشر ﷺ کے قدموں سے لپٹ جائے۔

بقول عالم فدائی

خدا کو ڈھونڈنا گر ہے، تو آو جاتا ہے
خدا کے عرش کو اک راستہ مدینے سے

سورۃ والضحیٰ کا مطالعہ فرمائیں ،**ما ودعك ربك وما قلی** "تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے"ان آیات کا شان نزول کچھ یوں ہے کہ کچھ دیر کے لیے وحی کا نزول منقطع ہو گیا۔حکمت یہ تھی کہ مولا نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو ہجر و فراق کے لمحات کی تشنگی دے کر ان کی محبت کو مزید نکھارنا اور ابھارنا تھا اور یہ کہ ہجر کی لذت سے آشنا کرنا تھا۔ ادھر بد بخت کفار مکہ اور نامراد منافقین نے واویلا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کے رب نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا ۔خدا نے محمد (ﷺ) سے تعلق توڑ لیا ہے۔اب تو وحی کا سلسلہ بھی بند ہو گیا ہے (معاذ اللہ)وغیرہ وغیرہ۔

قانون قدرت ہے کہ جب خدا اپنے مقبول بندے کو مقام نبوت پر سرفراز فرماتا ہے تو پھر اس تعلق کو منقطع نہیں کرتا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نبوت کا تعلق نہیں ٹوٹتا۔ پوری تاریخ نبوت میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے۔ کہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ خدا نے نبوت کا منصب واپس لیا ہو یا تعلق ختم کیا ہو۔یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ کفار مکہ کے پروپیگنڈے کے ردعمل میں بتقضائے بشریت طبیعت مبارکہ پر تھوڑا سا بوجھ آیا، دل میں یہی آیا کہ اے مولا !اب کفار کے واویلے کا خود ہی جواب دے لہذا سورۃ والضحیٰ کی مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اس سورت میں رب ذوالجلال نے تین بار ربک کا پیار بھرا لفظ لگا کر ترتیب وار کفار کے سارے پروپیگنڈے کے سارے زہر کو ہر ہر سطح پر نیست و نابود فرمایا۔ کفار نے تو صرف تعلق ختم ہونے کی ڈفلی بجائی تھی۔ مولا نے اس کے جواب میں صرف تعلق بحال ہونے کی بات نہیں کی بلکہ اپنی شان کے مطابق کفار کا منہ یوں بند کیا ہے "**ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ** "محبوب ﷺ تمہارا رب عنقریب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاو گے ۔

یہاں بھی رب کون و مکان نے ربک کے پیار آفریں لفظ سے فرمایا کہ ساری مخلوق میری رضا کی جویا رہتی ہے مگر میرے لاڈلے رسول ﷺ میں تیری رضا چاہتا ہوں۔ دنیا مجھے منانے کے لیے کوشاں ہے اور میں تجھے راضی رکھنے کا سوچتا ہوں ۔اب تیرا کوئی ناخلف اور بے وفا امتی ہی تیری اور میری رضا کو جدا جدا کرنے کی کارستانی کرے گا لیکن تیرے باوفا امتی کے ذہن میں ایسا بد گمان نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن کے اندر جابجا ایسی آیات اسی حقیقت کو مستظہر کر رہی ہیں۔ اسی طرح "**فلنولینك قبلة ترضها** "،"اے وسیلہ دارین ہم عنقریب تمہیں اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس پر تو راضی ہوگا کے اندر بھی رب کائنات اپنے محبوب ﷺ کی رضا پر ہی قبلہ کا تعین فرما رہا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ،میں جہاں مصطفیٰ ﷺ کی رضا کا ذکر ہے وہاں عطائے مصطفیٰ ﷺ کا ذکر بھی فرمادیا ۔فرمایا" محبوب ﷺ تمہیں اتنا دیں گے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔اور پھر بعد ازاں "انا اعطینك الكوثر " (محبوب ﷺ ہم نے تمہیں کثرت کی کثرت (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عطا کردی گویا تمہیں مالک بنا دیا) کے الفاظ کے ساتھ عطا کا ذکر بھی فرمادیا۔کسی کو مالک بنانے سے وہ چیز خدا کی ملکیت سے نکل نہیں جاتی بلکہ بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں مخلوق دونوں مالک ہوتے ہیں ۔لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ خدا مالک حقیقی اور مخلوق مالک مجازی ہوتی ہے۔ فرمایا محبوب ﷺ ہم مالک حقیقی اورتم مالک مجازی ہوئے اب جسے چاہو ،جتنا چاہو اور جب چاہو بانٹتے پھرو۔

پس اللہ پاک نے حضوراکرم ﷺ پر اپنی نوازشات، عطاؤں، سخاوتوں اور انوار وتجلیات کا یوں اتمام کیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ":انی اعطیت مفاتیخ خزائن الارض " (رواہ الشیخان ،ابوب داؤد نسائی"(بے شک مجھے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں " گویا آپ کوخزانہ الوہیت کا قاسم بنا دیا ہے اور خیر کثیر آپ ﷺ کو عطیہ کردی ہے اور فیضان کا جتنا کرم حضور اکرم ﷺ پر ہوا اسکی ہلکی سی جھلک دیکھنے کے لیے بھی صاحب بصیرت درکار ہے۔کوئی نابینا کیا دیکھے گا۔ یہ سارا پردہ دیکھنے اور نہ دیکھنے کا ہے۔بقول شاعر

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اللہ رب العزت نے بات یہیں ختم نہیں کی بلکہ کفار کی آرزوؤں کو خاک میں ملادیا ہے اسی سورۃ کی آخری آیت میں "ربک "کے حسین اور چمکدار لفظ سے نسبت کے تعلق کااظہار فرمایا"واما بنعمة ربك فحدث "، "اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

" ک" ضمیر متصلہ ہے یہ جب لفظ رب کے ساتھ متصل ہوتی ہے تو اس کا معنی " تیرا رب"، تیرا پالن ہار""" تجھے بنانے والا" تیرے پیکر حسن کو تراشنے والا" تجھے مقام ومرتبہ عطا کرنے والا" تجھے بلندیوں سے نوازنے والا بنتا ہے۔جس طرح رب بھی ایک ہے اسی طرح اصل میں مربوب بھی ایک ہے اور وہ تاجدار انبیا ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ خدا کی ہر نعمت پہلے مصطفیٰ ﷺ کوملتی ہے بعد میں ان کے وسیلے اورفیض سے ساری مخلوق میں بٹتی ہے۔اس لیے حضور ﷺ کی ذات اقدس، اللہ رب العزت کے سارے فیضان ربوبیت کا اجمال ہے اور تمام کائنات اس اجمال (حضور اکرم ﷺ) کی تفصیل ہے۔

اللہ ہر جہاں میں اپنی پہچان کرانے کے لیےکسی کا محتاج نہیں بلکہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔لیکن وہ ذات بے نیاز ہو کربھی حضور ﷺ کو اپنی پہچان کا ذریعہ بناتی ہے اور اپنی شناخت کے لیے منتخب کرتی ہے اور اپنی ربوبیت کا اظہارنسبت رسالت سے کرتی ہے۔ یہ سارا فلسفہ ربک میں مضمر ہے۔ اس لیے فرمایا کہ میری مخلوق مجھے نہیں دیکھ سکتی اگر کوئی مجھے دیکھنا چاہتا ہے تو میرے ختم الرسل ﷺ کو دیکھے اور پہچانے۔ اس لیے تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا: من رانی فقد راالحق (بخاری 1036۔2) "جس نے مجھے دیکھااس نے خدا کو دیکھا"

حضور اکرم ﷺ کو خدا نے قاب قوسین و ادنیٰ کے مقام پر اپنے جلووں کا مظہراتم بنا دیا۔ آپ ﷺ کوحسن کائنات اور کائنات حسن بنا کر بھیجا ہے اور فرمایا جو میرے نبی کو دیکھنے کی بجائے مجھے بلاواسطہ دیکھنے کی تمنا کرے گا اس کو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر بندوں کی طرح کوئلہ بنا کر راکھ کر دیا جائے گا۔تمہارے اندر اتنا حوصلہ اورظرف نہیں ہے کہ تم الوہی جلووں کو بے نقاب نظر نظر میں سما سکو۔یہ اعجاز فقط ایک ہی آنکھ کو حاصل ہے جس کے بارے ارشادفرمایا:ما زاغ البصر وما طغیٰ ،" چشم مصطفیٰ ﷺ نہ درماندہ ہوئی اور نہ حد ادب سے (آگے) بڑھی۔ مولا نے واضح فرمادیا کہ تم میرے جلووں کے مظہر اتم (مصطفیٰ ﷺ) کو تکتے رہا کرو ۔اپنی نظروں سے اس کے چہرے کی تلاوت کیا کرو اور اے میری مخلوق! مصطفیٰ ﷺ کے چہرے کو تکنا میری سنت ہے کہ میں بھی اسے ہر وقت اپنی نظروں میں سمائے رکھتا ہوں ،قرآن اس بات کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے کہ "فـــــــــانك

بـاعـيـنـنـا" (طور،28) میرے محبوبﷺ! تم ہر وقت میری نگاہ میں رہتے ہو۔ رب کائنات کی ذات پاک بے نیاز ہونے کے باوجود اپنے محبوبﷺ کی شان کو اجاگر کرنے کے لیے، تعلق بالرسولﷺ کو صحیح سمت دینے لیے نسبت رسولﷺ کا ذکر کرتی ہے۔ پس "ربک" ایک محبت بھرا لفظ ہے، جس میں اپنائیت ہے، جس میں اظہار محبت ہے۔ اس میں عقل والوں کے لیے حکمت اور مخلوق کے لیے سبق پنہاں ہے۔ اس میں ایک تعلق کا ذکر، ایک سمت کا تعین اور ایک منزل کا منہاج ہے اور اس میں ایمان کے مرکز ومحور کا بیان ہے۔ اس ساری عیاں حقیقت کے باوجود خود ساختہ توحید کے خمار میں ادب رسالتﷺ سے محروم ہو کر کوئی راندہ درگاہ بننے کا سامان خود کر رہا ہو تو اسے کیا کہیے گا۔؟

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے پوشیدہ ہے رسالت کا مقام

اب اس زبان زدعام آیت کی طرف آیئے جو فلسفہ تبلیغ کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، کیا اس آیت کا مقصد محض تبلیغ برائے تبلیغ ہے یا اس کے اندر کچھ اور درس بھی پنہاں ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا "ادع الی سبیل ربك بـالـحـكـمة (النحل،25)، اے نبی محترمﷺ! انہیں اپنے رب کی طرف بلاو۔ اگر یوں آیت ہوتی کہ مخلوق کے رب کی طرف بلاؤ تو یہ بات مزید واضح ہو جاتی لیکن اللہ پاک نے رب العالمین کا لفظ لگانے کی بجائے اس فلسفہ تبلیغ کی آیت میں اس جگہ "ربک" کے دل آویز لفظ کا اہتمام فرما کر ہماری سوچوں کا رخ رسالت کی طرف موڑ دیا ہے کیونکہ توحید، رسالت کی واحد دلیل ہے۔ توحید کا اثبات بواسطہ رسالت ہے، توحید کا حصول بذریعہ رسالت ہے، توحید کا اظہار بواسطہ رسالت ہے ۔لیث قریشی یوں کہتا ہے کہ

جس نے اے سلطان خوباں تجھ کو پہچانا نہیں
اس نے ذات کبریا کو مطلقا جانا نہیں

یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ اے محبوبﷺ! لوگوں کو رب کی طرف بلا، رب کا راستہ دکھا، لوگوں کو کائنات کے رب کی طرف بلا، بات تو بہرصورت رب ہی کی ہوتی کہ وہی ہر ایک کا رب ہے لیکن رب العالمین نے اس انداز سے بات نہ کی بلکہ دیگر نسبتوں کی بجائے اپنی ربوبیت کی بات اپنے محبوبﷺ کی نسبت و اضافت کے حوالے سے کی۔ فرمایا: اے محبوبﷺ! لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلا ،انہیں میری پہچان کروا، انہیں میرا رب ہونا بتلا، انہیں میری پہچان اپنے رب ہونے کے ناطے سے کروا ،انہیں میری یاد دلا لیکن میری پہچان ایسی نہ کروا کہ تجھے بھول جائیں، انہیں میری طرف بلا لیکن ایسے نہیں کہ تیرے وسیلے سے بے خبر ہوجائیں، انہیں میری توحید کی خبر دے لیکن ایسی نہیں کہ تیری رسالت سے بے نیاز ہوجائیں بلکہ انہیں میری میری طرف بلا لیکن اس طرح کہ یہ تیرے ذریعہ سے مجھ تک پہنچیں گویا میری یاد انہیں تیری یاد سے ملے، میرا راستہ انہیں تیرے راستے سے ملے، میرا جمال انہیں تیرا جمال سے ملے ،میرا کمال انہیں تیرے کمال سے ملے، میرا تعلق انہیں تیرے تعلق سے ملے، میری نسبت انہیں تیری نسبت سے ملے، میری بندگی انہیں تیری غلامی سے ملے اور میری رضا انہیں تیری رضا سے ملے۔ یہ میرے بندے بنیں لیکن اس طرح سے کہ پہلے تیرے باوفا امتی بنیں، یہ مجھ تک پہنچیں لیکن اس طرح سے کہ پہلے تجھ تک پہنچیں، یہ میرے در پر آئیں لیکن اس طرح سے کہ پہلے تیری دہلیز پر جھکیں۔

پس اس آیت میں ربک کے ذریعے رب کی پہچان ہوگئی کہ کونسا رب؟ ورنہ کوئی سورج کے رب ہونے کی بات کرتا تو کوئی چاند کے کے رب ہونے کی بات کرتا، کوئی گنگا کے رب ہونے کی بات کرتا تو کوئی جمنا کے رب کے ہونے کی بات کرتا۔ اس طرح ہر کوئی جدا جدا نسبت سے رب کی پہچان کرتا۔ فرمایا تم ان سب نسبتوں کو بھول جاو، رب فقط اس کو مانو جو میرے مصطفیﷺ کا رب ہے، وہی پوری کائنات کا رب ہے، کیونکہ رب کی پہچان کے حوالے سے ذات رسولﷺ سب سے بڑا حوالہ ہے۔

اللہ پاک نسبتوں اضافتوں کا محتاج نہیں، یہ ساری محتاجی ہماری ہے۔ مولا اپنی پہچان نسبت مصطفیﷺ کے ذریعے مخلوق کو مخلوق کے لیے ہی کرواتا ہے پس فرمایا: لوگوں مجھے

پہچانو لیکن یوں کے مصطفیٰ ﷺ کا رب ہونے کے حوالے سے پہچانو۔ اس لیے کہ اگر یہ نسبت قائم ہوگئی اور تم نے مجھے ختم الرسل ﷺ کے رب ہونے کے حوالے سے پہچان لیا تو پھر کوئی تمہیں بھٹکا نہیں سکے گا۔ اگر لاکھوں انسان بھی تمہیں اپنی طرف بلائیں اور کہیں کہ آ ؤ رب ادھر ہے تو تمہیں گمراہ نہ کر سکیں گے۔ لہذا یہ بات دل کی تختی پر نقش کر لینی چاہیے کہ کوئی شخص نسبت رسول ﷺ کے بغیر اللہ کی پہچان حاصل نہیں کر سکتا۔

نسبت یا اضافت کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب بہت ساری چیزیں سامنے ہوں اور کسی ایک کی نشاندہی کرنی ہو۔ پس ساری کائنات میں جب رب فقط ایک ہی ہے تو یہاں اضافت کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن یہاں قرآن مجید میں جابجا "تمہارا" کی نسبت لگائی جا رہی ہے۔ چنانچہ یہاں جو نکتہ واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ اضافت کی ضرورت اس لیے نہ تھی کہ اللہ کی پہچان میں کوئی مغالطہ ہونے کا احتمال تھا بلکہ اس لیے کہ رب کا ذکر "تمہارا " کی اضافت کے ساتھ ہوتا تاکہ لوگ پہچان جائیں کہ منزل رب ہی ہے اور اس تک پہنچنے کا واحد راستہ اس کا رسول ہے۔ مقصود رب ہی ہے لیکن اس تک رسائی کا واحد ذریعہ ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔ مطلوب رب ہی ہے لیکن اس کو پانے کا واحد وسیلہ اس کا محبوب نبی ﷺ ہے۔

بقول شاعر

اور کوئی نہیں راستہ دوستو
مصطفیٰ ﷺ سے ملو گر خدا چاہیے

جب کفار نے توحید کی دلیل مانگی تو تاجدار انبیا نے اپنی عمر پاک کو توحید کے اثبات کی دلیل کے طور پر پیش کیا، **فقد لبثت فیکم عمرا** (یونس،16) کہ میری چالیس سالہ زندگی ملاحظہ کر لیں۔ میری کتاب زیست کا ہر ہر ورق پڑھ لیں، جتنا چاہے میری زندگی کو جانچ لیں، پرکھ لیں، میری زندگی صاف شفاف ہے اور بس۔ کوئی دھبہ نظر آئے بھی تو کیسے؟ نبی آخر الزمان ﷺ کی عمر پاک کی قسم تو رب نے قرآن پاک میں اٹھائی ہے، لعمرک (الحجر،72) کا لفظ پیدائش سے لے کر وصال تک 63 برس کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہ محبوب ﷺ تیری زندگی ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے مبرا ہے۔ بقول شاعر

تیری حیات پاک کا ہر لمحہ پیغمبر لگے

انھم لفی سکرتھم یعمھون، (الحجر: 72)

محبوب ﷺ یہ لوگ تمارے مقام ومرتبہ سے بے خبر ہیں، **کلا نمد ھئو لا و ھئو لا من عطا ربك** (بنی اسرائیل:20) مخلوق میں سے ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں لیکن اے (ساقی کوثر ﷺ) یہ سب کچھ تیرے رب کی عطا ہے۔ مالک ارض و سما نے یہاں کتنے اچھوتے انداز میں ربک کے معطر ومعتبر لفظ کا التزام کیا ہے:

کسی کو کچھ نہیں ملتا تیری عطا کے بغیر
خدا بھی کچھ نہیں دیتا تیری رضا کے بغیر

مولا نے کتنے واضح انداز سے بیان فرمایا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مصطفیٰ ﷺ کی طرف جائے اور تعلق بنائے بغیر خدا سے عطاؤں اور مرادوں کی جھولی بھر لے گا، مصطفیٰ ﷺ کے در پر جبین نیاز جھکائے بغیر خدا کی نوازشات کا خود کو حقدار بنا لے گا، در رسول ﷺ پر سر تسلیم خم کیے بغیر کثرت نوافل سے (جو کی خدا کی عبادت ہے) خود کو بخشش کا سزاوار ٹھہرا لے گا، زہد و تقویٰ کی زیادتی سے قربت الہیٰ کے مزے لے لے گا، **قائم الیل و صائم النھار** بن کر رب کو منا لے گا، توحید اور آخرت کی فکر کر کے اعمال کا ذخیرہ کر لے گا، یہ سارے اعمال اپنی جگہ حق لیکن ربک کا مٹھاس بھرا کلمہ اعمال پر نسبت رسول ﷺ کو مقدم کرنے کی پکار ہے۔

ہر عطا خواہ دولت ایمان ہو، دولت عمل ہو، دولت اخلاص ہو، دولت قال ہو، دولت حال ہو، خواہ دولت عرفان و ایقان ہو۔ اس کو رب محمد ﷺ کی عطا سمجھ کر قبول کرو، ہر عطا کے باب میں دھیان مصطفیٰ ﷺ کی طرف جائے کیونکہ مرکز تقسیم ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔ بے شک خدا اور مصطفیٰ ﷺ دو ذاتیں ہیں، ذات کا فرق ضرور ہے لیکن جہاں تک معرفت، قرب، وصال، اطاعت اور نعمتوں کی عطا کا تعلق ہے ان میں کوئی فرق اور بعد نہیں اس لیے حضرت شاہ احمد رضا خان بریلویؒ بیان کر گئے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب ﷺ
کہ محبوب و محبّ میں نہیں میرا، تیرا

اگر کسی نے تعلق بالرسول ﷺ کو چھوڑ کر کتنی ہی اعمال کیے ہوں، نصرت رسول ﷺ سے اغماض برت کر جہانگیری کے جھنڈے گاڑے ہوں ،ادب رسول ﷺ کا حصار توڑ کر خالی عمل پہ تکیہ کیا ہو۔ تو سن لے کہ اس کے پہاڑ جتنے بھی اعمال بھی بھسم کر کے راکھ کر دیئے جائیں گے ، پھر ٹھنڈے پانی سے کیے وضو کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا ،نیند قربان کر کے پڑھی ہوئی صلوۃ تہجد اس کے منہ پہ ماری جائے گی اور اسے کانوں کان تک خبر نہ ہونے دی جائے گی۔ فقط اس لیے کہ اس نے رسول ﷺ کی اتباع کو چھوڑ کر براہ راست اللہ کو پانا چاہا ،خدا کے رسول ﷺ کی غلامی کا قلاوہ اپنے گلے سے اتار کر خدا سے تعلق بنانا چاہا، اس نے صاحب قرآن کو چھوڑ کر خود ہی قرآن سمجھنا چاہا، تاجدار کائنات کو نظر انداز کر کے خالق کائنات کو نظر میں رکھنا چاہا، اس نے سرور دین ﷺ سے اغماض برت کے دین والا بننا چاہا، اس کی یہ حرکت خوش فہمی تو ہوسکتی ہے لیکن دین فہمی نہیں کہلا سکتی، پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی ؒ نسبت رسول ﷺ کو یوں شعر کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔

نسبتوں سے نہ اگر ہو تو محاسن بھی گناہ
وہ شفاعت پہ ہوں مائل تو جرائم بھی قبول
داعی مشرب توحید بھی یہ بات سنے
شاید آ جائے اسے راس،یہ حرف معقول
صرف توحید کا شیطان بھی قائل ہے مگر
شرط ایماں ہے محمد ﷺ کی اطاعت یہ نہ بھول

(یہاں اطاعت سے مراد محبت و ادب رسول ﷺ ہے) کلا نمد ھئو لا و ھئو لا من عطا ربك میں ربک کی جگہ رھم یا رب العالمین کا لفظ لگایا جائے تو مضمون مزید رواں ہو جاتا اور ترجمہ یوں بنتا کہ "ہم مخلوق میں سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں اور یہ مخلوق کے رب کی عطا ہے۔لیکن وجدان کہتا ہے کہ اللہ پاک کو جو خوشی ربک کر کہہ کر ملتی ہے وہ رب العالمین اور رب المخلوقات کہہ کر نہیں ملتی ،بے شک وہ ہر ایک کا رب ہے، رب انس و جن ہے، بحر و بر کا رب ہے، خشک و تر کا رب ہے، لیکن خدا کو خیر البشر کا رب کہلانے میں مزا ہی کچھ اور آتا ہے۔ ساقی کوثر ﷺ کا پالنے والا، رحمۃ اللعالمین ﷺ کا رتبہ بڑھانے والا اور نور مجسم ﷺ کو شان عطا کرنے والا کہلا کر اس کی محبت کی تسکین ہوتی ہے۔

بعض ذہنوں میں یہ سوچ آ سکتی ہے یا لائی جا سکتی ہے کہ حضور ﷺ اگر فرض محال عطاؤں کے تقسیم کنندہ ہیں تو یہ صرف ظاہری حیات تک کا مقام تھا، اس وقت جبرائیلؑ حکم لے کر آتے تھے اور وحی کا نزول ہوتا تھا، لیکن اب تو آپ وصال فرما چکے ہیں لہذا اب یہ عطاؤں کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجہول سوچ کا اگلی آیت میں رد کر دیا اور فرمایا "اے رحمت عالم ﷺ! تیرے رب کی عطاؤں کا سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا"۔ جو بھی تیری نسبت، تیرے وسیلے، تیرے توسط سے ہم سے کبھی بھی استمداد کا طلبگار ہوں گا ہم اس کی جھولیاں بھرتے رہیں گے، ہم اس پر نعمتیں نچھاور کرتے رہیں گے، جو تیرے گنبد خضریٰ سے ہو کر ہماری طرف آئے گا ہم اسے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے جو تیرا وسیلہ لے کر ہماری بارگا میں آئے گا ہمارا کرم اسے اپنی آغوش میں لے کر اس کا دامن مراد بھرتا رہے گا۔ جو تیرے توسط سے ہمارے در پہ دست سوال دراز کرے اگ ہم اس کی حاجت اس کے لبوں سے نکلنے سے پہلے ہی پوری کرتے رہیں گے۔

کوئی مانے یا نہ مانے اپنا تو یہ عقیدہ ہے
خدا دیتا ہے لیکن دیتا ہے صدقہ محمد ﷺ کا

آج امت مسلمہ کی صورت حال دیکھ کر دل پسیج جاتا ہے، آنکھ چھلک جاتی ہے ،جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے ہم نے بدقسمتی سے ذات رسول ﷺ کو مناظروں کا موضوع بنا دیا ہے، مجادلوں کا مرکز بنا دیا ہے، جبکہ اللہ پاک ہمیں قرآن کو نسبت رسول ﷺ کے حوالے سے پڑھنے کا اشارہ دے رہے ہیں۔ اگر اس انداز سے یہ امت محمد یہ قرآن کا دامن تھام لے تو اللہ رب العزت کی قسم! امت کے سارے جھگڑے، دنگا فساد، دھینگا مستی اور قتل و غارت ختم ہوجائیں، نفرت و کدورت کی جگہ محبت و مودت کا سامان ہو لیکن شرط یہ ہے کہ الوہی انداز سے قرآن کو پڑھا اور پڑھایا جائے، سمجھا اور سمجھایا جائے، اللہ پاک حضور اکرم ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے ہمیں دین کی صحیح فہم عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ ۔

☆☆☆☆☆

فقہی مسائل

اللہ حیاء اور پردے کو پسند فرماتا ہے

ڈاکٹرز کی ہدایت پر مریض کو بوقت ضرورت خون دینا جائز ہے

خصوصی رپورٹ

سوال: باتھ روم میں لگے بیسن پر وضو کرتے ہوئے کلمات طیبہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

آج کل باتھ روم ایک ہوتا ہے، اس میں حاجت روی اور غسل کی سہولت ہوتی ہے۔ باتھ روم ایک بند کمرے کی طرح ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ باتھ روم میں ہی لوگ وضو بھی کرتے ہیں کیونکہ باتھ روم میں ہی سنک لگا ہوتا ہے۔ کیا ننگی حالت میں وضو ہوجاتا ہے؟ تیسری بات یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بسم اللہ پڑھے بغیر وضو نہیں ہوتا۔ اگر وضو کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی تو وضو نہیں ہوا۔ اگر آدمی بھول گیا اور درمیانِ وضو یاد آیا کہ بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس وقت درمیان میں پڑھ لے تو کیا وضو ہو جائے گا؟ یا آخر میں بسم اللہ پڑھ لے تو کیا وضو ہوگا؟

جواب: سوالات کے جوابات ترتیب کے ساتھ درج ذیل ہیں:

غسل خانے یا کسی بھی ایسے محفوظ مقام پر جہاں کوئی دوسرا شخص ستر نہ دیکھ سکے، وہاں برہنہ ہو کر غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کھلی جگہ جہاں لوگوں کا آنا جانا ہو وہاں برہنہ غسل کرنے کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ يَعْلَى اَنَّ رَسُولَ اللهِ رَاَى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ بِلَا إِزَارٍ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ.

حضرت یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کھلی جگہ میں ننگے غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت حیاء والا اور پردہ پوش ہے، اس لئے حیاء اور پردے کو پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی کھلی جگہ غسل کرے تو اسے ستر چھپا لینا چاہیے۔

(ابی داود، السنن، 4: 39، رقم 4012 :، دار الفکر)

بعض محدثین کرام نے اس حدیث مبارکہ کو کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے:

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ فَإِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْءٍ.

حضرت صفوان بن یعلی بن اُمیہ، اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی غسل کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ کسی چیز کا پردہ کر لیا کرے۔ (احمد بن حنبل، المسند، 4: 224، رقم 17999 :، موسسۃ قرطبۃ مصر)

مذکورہ بالا تصریحات کی رو سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد دوسرے لوگوں سے ستر چھپا کر غسل کرنا ہے وہ کپڑے سے چھپا لیں یا دیواروں کی آڑ میں، یعنی کوئی دوسرا شخص ستر نہ دیکھ سکے تو مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بند غسل خانے میں بلا کراہت غسل ہو جاتا ہے۔

غسل کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اگر جسم پر نجاست لگی ہوئی ہو تو پہلے اُسے دھویا جائے پھر مکمل وضو کیا جائے، اور سارے جسم پر پانی بہایا جائے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُولَ شَعَرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ.

نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غسل طہارت شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو دھوتے۔ پھر نماز جیسا وضو کرتے پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کرتے اور ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر ہاتھوں سے تین لپ پانی اپنے سر پر ڈالتے۔ پھر پانی کو اپنے سارے جسم پر بہایا کرتے تھے۔ (حدیث مبارکہ متفق علیہ ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں) (بخاری، الصحیح، 1: 99، رقم 245:، دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت)

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلیٰ الله تعالیٰ علیه وآله وسلم لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ غسل کے بعد دوبارہ وضو نہ فرماتے تھے۔ (احمد بن حنبل، المسند، 6: 68، رقم 24434)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ دیگر محدثینِ کرام نے بھی نقل کی ہے۔

لہٰذا دورانِ غسل وضو کر لیا جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر دوران غسل ننگی حالت میں کیا ہوا وضو برقرار رہتا ہے تو پھر غسل خانے میں برہنہ حالت میں بھی وضو کر سکتے ہیں لیکن دوران وضو دعائیں وغیرہ نہیں پڑھ سکتے۔ بہر حال وضو ہو جاتا ہے۔

وضو کے شروع میں یا ہر عضو کو دھوتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا مسنون اور باعث برکت ہے۔ احادیث میں یہ ضرور آیا ہے کہ بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں لیکن وہ روایات اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان سے وضو سے پہلے یا درمیان میں بسم اللہ پڑھنا فرض یا واجب ثابت کیا جا سکے۔ لہٰذا جب بھی یاد آئے پڑھ لے لیکن بھول جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وضو ہو جائے گا۔

سوال: کیا اجنبی کو خون عطیہ کرنا جائز ہے؟

اپنے جسم کا خون کسی اجنبی کو عطیہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: خون کسی اجنبی کو عطیہ کرنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں چند امور کی وضاحت درج ذیل ہے:

سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خون صرف اس شخص کو دیا جائے، جو مرض یا زخمی ہونے کی وجہ سے موت وحیات کی کشمکش میں ہو، اور اسے خون کی ایسی ضرورت ہو کہ اگر خون نہ دیا جائے تو موت کا اندیشہ ہو۔

ایسے شخص کو خون دینے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

قَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بیان کر دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے (الانعام 119 :)

اس آیتِ مبارکہ سے پتہ چلا کہ بوقتِ ضرورت حرام غذا کا استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ کسی ایسے مریض یا زخمی کو خون دینا جس کی شفایابی انتقالِ خون سے ہی ممکن ہو، حقیقت میں غذا دینے جیسا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں خون عطیہ کرنا جائز ہے۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس سے خون منتقل کیا جا رہا ہے، یعنی جو شخص خون عطیہ کر رہا ہے، اس کو کوئی ظاہری ضرر اور نقصان تو نہیں ہو رہا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ لا ضرر ولا ضرار في الاسلام. (احمد بن حنبل، المسند، رقم حدیث 2921 :)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام میں نہ نقصان (اٹھانا) درست ہے اور نہ نقصان پہنچانا جائز ہے۔

خون عطیہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ انتقال خون کی تجویز کسی ماہر ڈاکٹر کی ہو۔ کسی عطائی یا نیم حکیم کی نہ ہو۔

اگر درج بالا امور کو دھیان میں رکھ کر خون عطیہ کیا جائے، تو یہ نہ صرف جائز بلکہ باعثِ ثواب بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

گلدستہ

اللہ پر بھروسہ انسان کو ہارنے نہیں دیتا

ماں باپ کی فرمانبرداری سے رزق تنگ نہیں ہوتا

مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین

میرے الفاظ:

سب سے خوبصورت رشتہ اور تعلق رَبُّ العالمین کے ساتھ جس پر بھروسہ کبھی ہارنے نہیں دیتا، جس پر توکل کبھی غم میں مبتلا نہیں ہونے دیتا، جس سے امید کبھی مایوس نہیں ہونے دیتی، جس پر یقین کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا، جس پر ایمان کبھی بھٹکنے نہیں دیتا، جس کی طرف توجہ کبھی بھٹکنے نہیں دیتی .

کسی انسان کو کھانا کھلا کر یہ مت سوچیں کہ ہم نے اسے کھانا کھلایا ہے۔ بلکہ یہ سوچیں کہ یہ رزق ہی ہمیں اس کے نصیب سے ملا تھا۔ یہ تو ربّ کے دیئے ہوئے میں سے ہی دے رہیں ہیں ناں۔ ورنہ ہماری کیا اوقات ہے کہ ہم کسی کو کچھ کھلا سکیں۔ یہ تو اللہ ہی کی رحمت ہے جو ہماری عزت بنائے ہوئے ہے۔

سنیں بعض اوقات جو چیزیں آپ کا دل توڑتی ہیں وہ نتیجتاً آپ کی نظر ٹھیک کر دیتی ہیں۔

خاموش ہو جایا کریں، سہہ جایا کریں، جھک جایا کریں، مان لیا کریں، یہ عاجزی ہے _ جو اللہ کو بہت محبوب ہے بندہ جب بااختیار ہوتے ہوئے خاموش ہو جاتا ہے تو اللہ کی نظر میں معتبر ہو جاتا ہے "_

اللہ تعالیٰ نے رزق کے 16 دروازے مقرر کیئے ہیں.. اور اس کی چابیاں بھی بنائی ہیں۔ جس نے یہ چابیاں حاصل کر لیں وہ کبھی تنگدست نہیں رہے گا۔

☆ پہلا دروازہ نماز ہے۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کے رزق سے برکت اٹھا دی جاتی ہے۔ وہ پیسہ ہونے کے باوجود بھی پریشان رہتے ہیں۔

☆ دوسرا دروازہ استغفار ہے۔ جو انسان زیادہ سے زیادہ استغفار کرتا ہے توبہ کرتا ہے اس کے رزق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے کبھی اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔

☆ تیسرا دروازہ صدقہ ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں جو خرچ کرو گے اللہ اس کا بدلہ دے کر رہے گا، انسان جتنا دوسروں پر خرچ کرے گا اللہ اسے دس گنا بڑھا کر دے گا۔

☆ چوتھا دروازہ تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ جو لوگ

☆ گناہوں سے دور رہتے ہیں اللہ اس کیلئے آسمان سے رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

☆ پانچواں دروازہ کثرتِ نفلی عبادت ہے۔ جو لوگ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ ان پر تنگدستی کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے اگر تو عبادت میں کثرت نہیں کرے گا تو میں تجھے دنیا کے کاموں میں الجھا دوں گا، لوگ سنتوں اور فرض پر ہی توجہ دیتے ہیں نفل چھوڑ دیتے ہیں جس سے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔

☆ چھٹا دروازہ حج اور عمرہ کی کثرت کرنا، حدیث میں

آتا ہے حج اور عمرہ گناہوں اور تنگدستی کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح آگ کی بھٹی سونا چاندی کی میل دور کر دیتی ہے۔

☆ ساتواں دروازہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا۔ ایسے رشتہ داروں سے بھی ملتے رہنا جو آپ سے قطع تعلق ہوں۔

☆ آٹھواں دروازہ کمزوروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہے۔ غریبوں کے غم بانٹنا، مشکل میں کام آنا اللہ کو بہت پسند ہے۔

☆ نواں دروازہ اللہ پر توکل ہے۔ جو شخص یہ یقین رکھے کہ اللہ دے گا تو اسے اللہ ضرور دے گا اور جو شک کرے گا وہ پریشان ہی رہے گا۔

☆ دسواں دروازہ شکر ادا کرنا ہے۔ انسان جتنا شکر ادا کرے گا اللہ رزق کے دروازے کھولتا چلا جائے گا۔

☆ گیارہواں دروازہ ہے گھر میں مسکرا کر داخل ہونا، مسکرا کر داخل ہونا سنت بھی ہے حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ رزق بڑھا دوں گا جو شخص گھر میں داخل ہو اور مسکرا کر سلام کرے۔

☆ بارہواں دروازہ ماں باپ کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ ایسے شخص پر کبھی رزق تنگ نہیں ہوتا۔

☆ تیرہواں دروازہ ہر وقت باوضو رہنا ہے۔ جو شخص ہر وقت نیک نیتی کیساتھ باوضو رہے تو اس کے رزق میں کمی نہیں ہوتی۔

☆ چودہواں دروازہ چاشت کی نماز پڑھنا ہے جس سے رزق میں برکت پڑھتی ہے۔ حدیث میں ہے چاشت کی نماز رزق کو کھینچتی ہے اور تنگدستی کو دور بھگاتی ہے۔

☆ پندرہواں دروازہ ہے روزانہ سورہ واقعہ پڑھنا۔ اس سے رزق بہت بڑھتا ہے۔

☆ سولواں دروازہ ہے اللہ سے دعا مانگنا۔ جو شخص جتنا صدق دل سے اللہ سے مانگتا ہے اللہ اس کو بہت دیتا ہے۔

دعا: اللہ ہمیں ان سب پے اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق آتا فرمائے. آمین

مٹن پایا (اجزاء)

بکرے کے پائے 2 ___ عدد، ہرا دھنیا 1 ___ گٹھی باریک کٹا ہوا، دہی 1 ___ پیالی، چھوٹی پیاز 2 ___ عدد، لیموں کا رس 3 ___ چائے کے چمچ، ہری مرچ 4 ___ عدد باریک کٹی ہوئی، ہلدی 1 ___ چائے کا چمچ، گرم مصالحہ 1 ___ چائے کا چمچ پسا ہوا، زیرہ 1 ___ چائے کا چمچ بھنا اور پسا ہوا، لال مرچ 1 ___ کھانے کا چمچ پسی ہوئی، ادرک لہسن کا پیسٹ 1 ___ کھانے کا چمچ، دھنیا 2 ___ کھانے کے چمچ پسا ہوا، تیل ___ حسب ضرورت، ادرک ___ حسب ضرورت باریک کٹی ہوئی، نمک ___ حسب ذائقہ

پائے دھونے کے لیے: آٹا ___ آدھی پیالی

پائے گلانے کے لیے:

ثابت لہسن 2 ___ عدد، پانی 4 ___ سے پانچ گلاس، سونف 1 ___ چائے کا چمچ، ثابت دھنیا 1 ___ کھانے کے چمچ، نمک ___ حسب ذائقہ

ترکیب: بکرے کے پائے دھوئے بغیر اُن پر آٹا یا آٹے کی بھوسی لگاکر آدھے گھنٹے کے لیے چھلنی میں رکھیں۔ پھر گرم پانی سے دھولیں۔ اب دھلے ہوئے پائے ایک دیگچی میں چار سے پانچ گلاس پانی، سونف، ثابت دھنیا، ثابت لہسن اور نمک کے ساتھ پکنے دیں۔ جب وہ گل جائیں تو بڑی ہڈیاں نکالیں اور یخنی چھان لیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کرکے اس میں چھوٹی پیاز گولڈن براؤن کرکے نکالیں اور ٹشو پر پھیلا دیں، تاکہ وہ خستہ ہوجائے۔ پھر خستہ پیاز کو ہاتھ سے کچل کر دہی میں ملائیں۔ ساتھ ہی ہلدی، ادرک لہسن کا پیسٹ، دھنیا، بھنا اور پسا زیرہ اور پسی لال مرچ شامل کرکے واپس دیگچی میں ڈالیں اور ہلکا سا بھون کر پائے ڈال دیں۔ اب انھیں پانچ سے آٹھ منٹ بھون کر چھانی ہوئی یخنی اور پھر پسا گرم مصالحہ شامل کرکے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب چکنائی اوپر آجائے تو دوبارہ گرم مصالحہ، لیموں کا رس، باریک کٹی ہری مرچ، باریک کٹا ہرا دھنیا اور ادرک ڈال کر دَم پر رکھیں۔

آخر میں گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆☆☆

فضائل و مناقبِ اَہلِ بیتِ اَطہار علیہم السلام اور دیگر موضوعات پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اِیمان اَفروز علمی و تحقیقی کتب

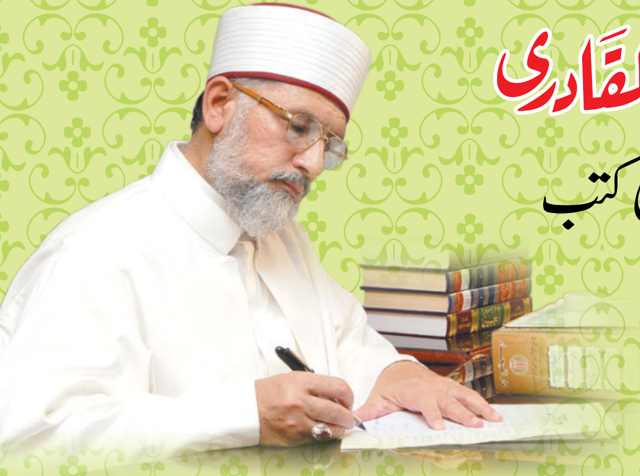

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
AUG-2022
LAHORE
Regd CPL No.45

Minhaj University Lahore

Minhaj University Lahore has GREEN CAMPUS with recognition of UI GREEN METRIC WORLD RANKING for SUSTAINABLE INFRASTRUCTURE

ADMISSIONS OPEN FALL 2022

ADP | BS | LLB | MBA | MS/M.PHIL | Ph.D

Candidates with 2-Years BA/BSc/ADP can Apply for Admission in BS 5th Semester

APPLY ONLINE https://admission.mul.edu.pk/

MORNING

ADP PROGRAMS

Computer Science
Computer Networking
Web Design & Development
Double Math & Physics
Botany, Zoology & Chemistry
Islamic Banking & Finance
Human Resource Management
Business Administration
Accounting & Finance
Commerce
Mass Communication
Education
Arts
English

BS PROGRAMS

Computer Science
Information Technology
Software Engineering
Chemistry
Physics
Botany
Zoology
Mathematics
Statistics
Economics
Accounting & Finance
B.Com (4 Years)
BBA
Islamic Banking & Finance
Mass Communication
Library & Information Science
Political Science
Sociology
International Relations
Education
History
Pak Studies
Peace & Conflict Studies
LLB (5 Years)
English
Urdu
Chemical Engineering
Electrical Engineering
Human Nutrition & Dietetics
Medical Lab Technology
Microbiology
Molecular Biology
Food Science & Technology
Biochemistry
Biotechnology

WEEKEND

MS/M.PHIL/MBA PROGRAMS

Computer Science
Chemistry
Physics
Botany
Zoology
Mathematics
Statistics
Economics
Accounting & Finance
Management Sciences
MBA (Professional)
MBA (Executive)
Islamic Banking & Finance
Mass Communication
Library & Information Science
Political Science
Sociology
International Relations
Theology & Religious Studies
Peace & Counter Terrorism Studies
Education
History
Pak Studies
Criminology & Criminal Justice System
English (Linguistics)
English (Literature)
Urdu
Clinical Nutrition
Food Science & Technology
Biochemistry

Ph.D PROGRAMS

Mathematics
Economics
Islamic Economics & Finance
Library & Information Science
International Relations
Political Science
Education
Urdu

Scan QR Code

Main Campus, Madar-e-Millat Road, Near Hamdard Chowk, Township, Lahore.
www.mul.edu.pk
admissions@mul.edu.pk
MinhajUniversityLahore
officialMUL

Universal Access Number (UAN)
03 111 222 685
MUL Exchange
+92 042 35145621-4 Ext: 320, 321